247



کیا اقلیم ہند میں اشاعتِ اسلام صوفیاء کی مرہونِ منّت ہے؟

تالیف

غازی عُزیر

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس

الإهداء
إلى فضيلة الشيخ حافظ محمد صلاح الدين يوسف المحترم
من المؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیاء کا مرہون منت ہے؟

تالیف

غازی عزیر

ناشر

ادارۃ البحوث الإسلامیہ بالجامعۃ السلفیہ، بنارس

نام کتاب : کیا اقلیم ھند میں اشاعتِ اسلام صوفیاء کا مرہون منت ہے؟
مصنف : غازی عُزیر
کاتب : عبدالکبیر اعظمی
ناشر : ادارۃ البحوث الإسلامیہ، جامعہ سلفیہ بنارس، الہند
اشاعت اول : محرم ۱۴۱۳ھ ۔ جولائی ۱۹۹۲ء
مطبع : نشاط آفسٹ پریس، فیض آباد، ٹانڈہ

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی ۔ ۲۲۱۰۱۰

۲۔ جریدہ ترجمان ۴۱۱۶ اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ ربانی بکڈپو، نزد ربانی گرلس اسکول (علوی مسجد) مدنپورہ، وارانسی ۲۲۱۰۰۱

فہرست عنوانات



عرضِ ناشر

برصغیر ہندو پاک میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق متعدد امور توجہ طلب ہیں، کیونکہ ان سے متعلق جو تفصیلات عام لوگوں کو معلوم ہیں وہ زیادہ تر غلط اور بہت کم صحیح ہیں، ان امور میں بعض کا تعلق عقائد سے ہے بعض کا عمل سے اور بعض کی حیثیت صرف علمی و نظری ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کی اشاعت سے متعلق موضوع بھی بعض غلط فہمیوں یا غلط بیانیوں کا شکار رہا ہے، چونکہ ہندوستان میں اسلام کے آغاز و اشاعت کی بات اکثر تقریری و تحریری حوالوں میں آتی ہے، اور اسلامی تاریخ کے اس جزئیہ کی دیگر اعتبارات سے بھی اہمیت ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ برصغیر میں اسلام کی آمد و اشاعت کی ایک ایسی معتبر تاریخ پیش کر دی جائے جس میں اشاعت اسلام میں حصہ لینے والی شخصیات کے کردار بھی سامنے آجائیں اور کسی مخصوص طبقہ کے ساتھ کوئی زیادتی بھی نہ ہو۔ اس ناچیز نے مختلف یونیورسٹیوں سے اپنے تعلق کے دوران یہ محسوس کیا کہ ان کے عربی ادب و اسلامیات و دینیات کے شعبوں میں "ہندوستان میں علم حدیث و محدثین" کے موضوع پر متعدد علمی کام ہوئے ہیں، اور ان میں بعض کام بہت معیاری بھی ہیں، لیکن عام اسلامی زندگی میں محدثین کرام کی مساعی جمیلہ کا جس قدر اثر ہونا چاہیئے اتنا نظر نہیں آتا، البتہ فقہ و تصوف سے وابستہ شخصیات، ان کے کارنامے اور حکایات کا چرچا نسبتہً زیادہ ہے۔ صوفیاء سے متعلق کرامات اور زہد و بے نفسی کے واقعات کا تو ایک انبار ہے، ان میں سے اگر کسی چیز کا معتبر ذریعہ سے ثبوت ہوتا اور وہ کتاب و سنت کی تعلیمات سے متصادم

نہ ہوتی تو اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، لیکن عوام و خواص میں کشف و کرامت کے نام پر جو کچھ مروج ہے اس کا اکثر حصہ شریعت کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

تصوف کی تعظیم و تمجید کیلئے ایک بات یہ بھی مشہور کی گئی کہ برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی اشاعت میں صوفیاء کا کردار بیحد عظیم ہے۔ تاریخی طور پر اگر یہ بات ثابت ہو جاتی تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ تھا، لیکن ایک خالص تاریخی و علمی مسئلہ کو عقیدت و احترام کے زور پر ثابت کرنا آج کے علمی معیار و مقام کے شایانِ شان نہیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ محترم غازی عزیر صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، اور مستند حوالجات سے مذکورہ دعویٰ کو پرکھا، موصوف کی اس تحقیق کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

"ہندوستان میں اسلام صوفیاء کے ذریعہ نہیں بلکہ فقط محدثین کرام اور علمائے حق کے ذریعہ آیا، اور آج جو کچھ ہندوستان میں موجود ہے وہ انہی محدثین عظام کی انتھک کاوشوں اور بے لوث خدمات کا ثمرہ ہے۔"

غازی صاحب کا تعلق جماعت اہلحدیث کے ایک بیحد معروف علمی خاندان سے ہے، انہوں نے مذہب اور سائنس دونوں کی اعلیٰ تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے، تصحیح عقائد و اعمال ان کا خاص موضوع ہے، ان کے محققانہ مضامین ہندو پاک کے موقر علمی و جماعتی مجلات میں بکثرت شائع ہوتے ہیں، اور قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، موصوف کی بعض کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔

جامعہ سلفیہ محترم غازی صاحب کی کتاب "کیا اقلیم ہند میں اشاعتِ اسلام صوفیاء کی مرہونِ منت ہے؟" شائع کرتے ہوئے مصنف کا شکر گذار ہے، اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے تمام قارئین کو مستفید فرمائے، اور مصنف و ناشر کو اجر جزیل مرحمت فرمائے، وصلی اللہ علی النبی وسلم۔

جامعہ سلفیہ، بنارس
۲۱ محرم ۱۴۱۱ھ

(مقتدیٰ حسن محمد یاسین ازہری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"عرضِ مؤلف"

پیشِ نظر کتابچہ دراصل راقم کا ایک مضمون ہے جسے راقم نے جناب حکیم محمد اجمل خاں صاحب شکراوی (مدیر "مجلہ اہل حدیث" گڑگاؤں) کی ایماء پر آج سے تقریباً چودہ[14] سال قبل اپنی طالب علمی کے زمانہ میں مرتب کیا تھا لیکن دفتر "مجلہ" کی بدنظمی کے باعث کاغذات کے انبار میں کہیں دب کر شائع نہ ہو پایا اور نہ ہی باوجود طلب کرنے کے واپس مل سکا تھا۔ گزشتہ سال پرانے کاغذات کی ذاتی فائل کی ورق گردانی کے دوران اتفاقاً "مجلہ اہل حدیث" کو بھیجے جانے والے مضمون کے مسودہ کے چند اوراق دستیاب ہو گئے جن کو نظرِ ثانی اور بعض ضروری حک و اضافہ کے بعد زیرِ عنوان "اقلیم ہند میں اشاعتِ اسلام صوفیاء کی کاوشوں کا ثمرہ نہیں، محدثین اور علماء کی مساعی کا پھل ہے" از سرِ نو ترتیب دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ مضمون کافی طویل ہو گیا تھا اور عام طور پر معیاری دینی رسائل اپنی تنگ دامنی کے باعث زیادہ طویل مضامین شائع نہیں کر پاتے لہٰذا اس کو بڑی تقطیع کے تقریباً چالیس[40] صفحات تک بمشکل مختصر کیا جا سکا ——— الحمد للہ یہ مضمون ہندوستان کے دو مشہور دینی مجلوں "تحقیقاتِ اسلامی"[1] اور "صوت الحق"[2] میں شائع ہو کر

---

[1] سہ ماہی "تحقیقاتِ اسلامی" علی گڑھ ج ۱۱ عدد شمارہ ۳ مجریہ ماہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۲ء

[2] پندرہ روزہ "صوت الحق" مالیگاؤں ج ۵، اعداد ۱۲-۲۳، ۲۰ر اپریل تا ۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۲ء

قبول عام کا باعث بنا۔

برادرم محترم ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس حفظہ اللہ (استاذ جامعہ سلفیہ بنارس) نے حالیہ مکتوب میں اپنی پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ اس مضمون کو کتابی شکل میں شائع کردانے کا مشورہ دیا چنانچہ راقم الحروف نے ضروری محسوس کیا کہ جو اقتباسات بخوف طوالت مضمون سے حذف کردئے گئے تھے ان کو بڑھا کر کتابچہ کو مزید مدلل اور مفید بنادیا جائے، لہذا اپنے تمام ضروری مشاغل ترک کرکے فوری طور پر اس طرف متوجہ ہوا۔ اللہ عزوجل کا بے پناہ شکر واحسان ہے کہ اس نے زیر نظر کتابچہ کو ان مفید اضافوں کے ساتھ مرتب کرنے کی توفیق بخشی۔ ع

گر قبول افتد زہے عزوشرف

چونکہ زیر نظر کتابچہ کی ترتیب کے دوران بعض ضروری مراجع و مصادر باوجود کوشش بسیار کے بھی یہاں سعودیہ میں دستیاب نہ ہوسکے لہذا بعض مقامات پر کچھ تشنگی باقی رہ گئی ہے، ہوسکتا ہے بعض مقامات پر سنین وفات مختلف ہوگئے ہوں یا بعض علماء کے اسماء گرامی یا ان کی تصانیف کا تذکرہ نامکمل ہو یا ان کے اساتذہ وتلامذہ کا ذکر ناقص ہو، لہذا قارئین سے استدعا ہے کہ اگر کسی جگہ ایسا کوئی نقص پائیں تو راقم کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں تاکہ اس کتابچہ کے نقش ثانی کو مزید مدلل اور بہتر بنایا جاسکے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری اور ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس صاحبان حفظہما اللہ کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ جن کی مساعی جمیلہ کے باعث یہ کتابچہ زیور طبع سے آراستہ ہوسکا اور رفیق محترم

جناب تاج محمد جودھپوری کا بھی کہ جن کی مسلسل معاونت کے باعث راقم اپنے مقالات وکتب کے جملہ مسودات کی عکسی نقول وغیرہ کی فکر سے بے نیاز رہا ہے، فجزاہم اللہ أحسن الجزاء۔

والسلام

غازی عُزیر

ص ب "۲۰۰۸۷"
الخبر ۳۱۹۵۲
المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
۱۰ نومبر ۱۹۹۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"کیا اقلیمِ ہند میں اشاعتِ اسلام صوفیاء کا مرہونِ منت ہے؟"

عوام اور اہلِ علم ہر دو طبقات میں ایک غلط فہمی بکثرت یہ پائی جاتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت و توسیع صوفیاء کی مرہون منت ہے لیکن اس فکر کا اصل موجد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک سابق استاذ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ ہے جس نے اپنی کتاب "PREA - CHING OF ISLAM" (اسلامی تبلیغ) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ "برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام نے اسلام پھیلایا ہے۔"[1]

پروفیسر آرنلڈ کے اس انکشاف کے بعد کسی مورخ یا محقق نے اس دعویٰ کی حقیقت جاننے کی سرے سے کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اس بلا دلیل دعویٰ کو ایک مسلمہ حقیقت سمجھ کر بلا چوں و چرا تسلیم کر لیا گیا چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مشہور استاذ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "تاریخ مشائخ چشت[2]" وغیرہ میں، مولانا سید ابو الحسن علی الندوی نے "تاریخ دعوت و عزیمت[3]" میں، وحید احمد مسعود نے "سوانح خواجہ معین الدین چشتی[4]" میں، شیخ محمد اکرام نے "آبِ کوثر[5]" میں، آئی۔ ایچ۔ قریشی نے "THE MUSLIM

---

[1] ص ۲۵۶–۲۹۷، [2] ۱/۲۵–۳۶، [3] ۳/۱۵، [4] ص ۲۶۲–۲۷۵، [5] ص ۲۱۷–۲۵۱۔

"STUDIES نے عزیز احمد نے[7]، میں[6] COMMUNITY OF INDO PAK" میں اور رچرڈ میکسویل ایٹن نے "IN ISLAMIC CULTURE" "SUFIS OF BIJPUR"[8] وغیرہ میں بھی اس افسانہ کو حقیقت کے روپ میں پیش کیا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے خواجہ معین الدین چشتی کو "اس ملک میں اسلامی سلسلہ کے بانی"[9] کے نام سے موسوم کیا ہے اور فرماتے ہیں

"حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا اسکندر اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصہ میں تھی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی (م ۶۲۷ھ) کے لیے مقدر رہ چکی تھی۔"[10]

محترم علی میاں مزید فرماتے ہیں:

"اس طرح ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حسنات اور کارناموں میں شامل کیے جانے کے لائق ہے اور اس میں

---

[6] ص ۶۴-۶۵، [7] ص ۱۳۴، [8] ص ۱۵۵-۱۵۶، [9] تاریخ دعوت و عزیمت ۱۵/۳، [10] نفس مصدر ۲۲/۳۔

شک نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے۔"[11]

شیخ محمد اکرام کا دعویٰ ہے کہ "بابا فرید الدین گنج شکر نے کوئی ایسا نظام قائم کیا تھا جس کے ماتحت اشاعت اسلام کا کام ملک کے مختلف حصوں میں انجام پاتا رہا۔"[12]

آئی ایچ قریشی بیان کرتے ہیں کہ "برصغیر میں چشتی سلسلہ کے بانی خواجہ معین الدین ہیں۔ ہندوستان میں ان کی آمد اور ان کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ کی ترویج کو ہندوستان میں اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ و توسیع اور مسلمانوں کی اصلاح و تزکیہ کے سلسلہ میں ان کی خدمات کے بہت دور رس اثرات مترتب ہوئے ہیں۔"[13]

عزیز احمد صاحب فرماتے ہیں:

"بیشتر صوفی سلسلے اور انفرادی طور پر صوفیاء بھی غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کو اپنی بنیادی اور روحانی ذمہ داری تصور کرتے تھے۔"[14]

میر خورد نے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کو ہندوستان میں اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ان کی مزعومہ عظیم خدمات کے پیش نظر "نائب رسول فی الہند"[15] کا خطاب دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ:

---

[11] تاریخ دعوت و عزیمت ۳/۲۹۔

[12] آب کوثر ص ۲۸۵، ملخصاً۔

[13] THE MUSLIM COMMUNITY OF INDO-PAK SUBCONTINENT, PAGE 64-65

[14] STUDIES IN ISLAMIC CULTURE IN THE INDIAN ENVIRONMENT, P54

[15] سیر الاولیاء ص ۵۵

"قیامت تک اس ملک میں جو بھی اسلام کی دولت
سے مشرف ہوگا نہ صرف اس کا ثواب بلکہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی
اولاد کا ثواب جاریہ بھی ان کی روح کو ملتا رہے گا"۔[16]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اشاعت اسلام میں صوفیاء کی کوششوں کے معترف تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"مسلمانوں میں جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغ
دین الٰہی میں ذوق شوق سے سرگرم سعی رہی وہ صوفیائے
کرام کی جماعت ہے"۔[17]

حالانکہ ایسا کہنا نہ صرف خلافِ واقعہ ہے بلکہ تاریخ اسلام کے ایک تابناک باب کو عالم گمنامی میں دفن کر دینے کے مترادف ہے۔ کتب تاریخ وسیر و رجال کے غائر مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس بن کر ابھرتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام صوفیاء کے ذریعہ نہیں بلکہ فقط محدثین کرام اور علمائے حق کے ذریعہ آیا، اور آج جو کچھ ہندوستان میں موجود ہے وہ انہی محدثین عظام کی انتھک کاوشوں اور بے لوث خدمات کا ثمرہ ہے۔

برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی ابتداء:

برصغیر پاک و ہند میں محدثین اور علم حدیث کی اشاعت کے موضوع پر بہت سے علماء و محققین نے زورِ قلم صرف کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں اکثر علماء کی تحقیق ناقص معلومات پر مبنی ہیں چنانچہ ان کے نزدیک بلادِ ہند

---

[16] نفس مصدر ص ۷۰۔ [17] تصوف اور تعمیر سیرت ص ۱۰۲

میں علم حدیث کا رواج چھٹی صدی ہجری کے بعد ہوا ہے، پہلے کی پانچ صدیاں اس علم سے خالی بتائی جاتی ہیں اور عام طور پر یہ باور کرایا جاتا ہے کہ پہلی چھ صدیوں تک بلاد ہند میں حدیث کی تعلیم و تدریس، روایتِ حدیث اور محدثین نیز ان کی تصانیف کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ جن بعض لوگوں نے اس سے قبل محدثین کے وجود کو تسلیم کیا ہے وہ بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگرچہ فن حدیث ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری سے قبل موجود تھا لیکن اس فن میں علمائے وقت کو کوئی قابل لحاظ مقام و مرتبہ حاصل نہ تھا۔ بعض علماء نے تو ہندوستان میں علم حدیث کی آمد کو دسویں صدی ہجری تک پیچھے ڈھکیل دیا ہے چنانچہ شیخ محمد زاہد کوثری حنفی کے حوالہ سے شیخ محمد ابوزہو مصری اپنی کتاب "الحدیث والمحدثون" میں لکھتے ہیں:

"ارض ہند و پاک میں اشاعت حدیث: برصغیر پاک و ہند کے رہنے والوں نے حدیث نبوی کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ دسویں صدی ہجری سے قبل یہ لوگ علوم نظریہ اور فقہی احکام میں منہمک رہتے تھے۔ اسی وقت سے یہ لوگ حدیث نبوی، اس کے علوم کی درس و تدریس، نقد اسانید کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔" [18]

اس ناقص تحقیق سے بلاد ہند کی دینی و علمی تاریخ میں بڑا اخلاد محسوس ہوتا ہے۔ دراصل اس غلط فہمی کا بڑا سبب خاطر خواہ تتبع و تحقیق کا

---

[18] الحدیث والمحدثون مترجم غلام احمد حریری ص ۵۸۸

فقدان ہے۔ پھر جس طرح کہ فقہاء ماوراء النہر کی تصانیف نے ائمہ احناف کی امہات الکتب کو پیچھے ڈھکیل دیا تھا اسی طرح اولین دور کے ان محدثین اور علماء کے علمی کارناموں (یعنی تصانیف، مدارس اور تلامذہ وغیرہ) کو بھی ہمارے علمائے عجم کے فکری سیلان اور ان کے شیوع ورواج نے اس بری طرح بہا ڈالا کہ اس دور کی تاریخ کے صفحات بالکل کورے نظر آتے ہیں۔

پہلی و دوسری صدی ہجری میں علم حدیث کا ہند میں فروغ

پیش نظر مضمون میں اقالیم ہند و سندھ میں علم حدیث کے فروغ کے لیے کی جانے والی ابتدائی چند صدیوں کی شیوع کی خالص عربی تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جو ہندوستان میں علم حدیث کا عہد زریں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق برصغیر کے چند علاقے پہلی صدی ہجری کی ابتداء ہی میں علم حدیث اور "اخبرنا" و "حدثنا" کے جانفزا کلمات سے باقاعدہ آشنا ہو گئے تھے۔ صوفیاء کے ورود کی ابتداء تو پانچویں صدی ہجری میں ہوئی ہے۔ پہلی جماعت جس نے اپنے قول و عمل سے باشندگانِ ہند کو علم حدیث سے روشناس کرایا وہ ان صحابۂ کرام پر مشتمل تھی جو عہدِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عہد یزید (یعنی ۱۵ھ تا ۶۴ھ) تک مختلف اوقات و مواقع پر ہندوستان تشریف لائے۔ یہ جماعت ان نفوس قدسیہ پر مشتمل تھی جو برصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے اولین مبلغ آپ کے ارشادات گرامی کے پہلے داعی، اپنی ذات میں آں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ و عمل کے آفتاب جہاں تاب کی کرنوں کے آئینہ دار، اپنے

اعلیٰ اخلاق، اعمال، عادات، اطوار، کردار اور معاملات وغیرہ کے باعث اپنے مخاطب ہندوستانیوں کو بہت جلد متاثر کرنے والے تھے۔ ان نفوسِ قدسیہ کی آمد سے ہی اس دیارِ کفر و ضلالت میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول بالخصوص فرائض، سنن، احکام، حلال و حرام اور اس دور کے رواج و مزاج کے مطابق حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت احادیث و آثار کا چرچا ہوا پھر جب باقاعدہ احادیث کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا تو یہاں انہی حضرات سے احادیث و آثار کی روایت کا سلسلہ بھی چلا۔ خلافت راشدہ کے دوران ہندوستان تشریف لانے والے صحابہ کرام کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں:

"سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے حضرات عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانوں میں صحابہ نے اطراف کے اکثر علاقے فتح کر لیے تھے۔ وہ شام، مصر، عراق، یمن اور اوائل ترکستان کے وسیع و عریض اقالیم میں پہنچے اور علاقہ ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب و افریقہ اور اوائل بلاد ہند میں بھی داخل ہوئے۔"[19]

اسی طرح ڈاکٹر این میری شمل "شہپر جبریل" (GABRIEL'S WINGS) میں لکھتی ہیں:

"خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان عساکر نے سندھ اور گجرات کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا تھا اور

---

[19] البدایۃ والنہایہ ۹/۸۸، معرفۃ الرجال ص۲۳۴۔

بعد کے خلفاء کے عہد تک یہ تسلط برقرار رہا۔" نمبر۲۰
چونکہ خلافتِ راشدہ اور اموی دورِ خلافت میں سندھ، مکران اور سجستان کی فتوحات فارس کی مہمات میں شامل تھیں اور انہی راستوں سے غازیانِ اسلام بلادِ ہند کی طرف آئے لہٰذا ادبیہ بلادِ ہند سے مراد سندھ، مکران، سجستان اور بلوچستان وغیرہ کے علاقے ہیں جو کہ اقلیم فارس سے متصل ہیں۔

ہندوستان میں صحابہ کرامؓ کا ورودِ مسعود:۔

بعض محققین بیان کرتے ہیں کہ ارض برصغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس ۲۵ صحابہ کرام کے ورود مسعود سے بہرہ ور ہوئی ہے جن میں سے بارہ ۱۲ حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہدِ خلافت میں، پانچ ۵ حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد میں، تین ۳ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے دور میں، چار ۴ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے عہد میں اور ایک ۱ حضرت یزید بن معاویہ کے عہد میں تشریف لائے تھے۔ ان صحابہ کے علاوہ مختلف اوقات میں بلادِ عرب سے اقالیمِ ہند میں متعدد تابعین و تبع تابعین قدم رنجہ فرماتے رہے جن کے شب و روز کا مشغلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت تھا یہ باشندگانِ ہند کو دینِ فطرت کے تہذیبی و ثقافتی دائرہ میں شامل کرنے اور ان کو ان پاکیزہ اخلاق و کردار اور تعلیم و شائستگی کی ارفع و اعلیٰ اقدار سے بہرہ مند کرنے کی سعی کرتے رہے جن کو اسلام میں اساس کی حیثیت حاصل ہے

نمبر۲۰ شہپر جبریل مترجم ڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۴

غرض اس مقصد کے لیے بلادِ عرب سے ہندوستان تشریف لانے والے تابعین کی تعداد تقریباً سینتیس ۳۷ اور تبع تابعین کی تعداد تقریباً پندرہ ۱۵ بیان کی جاتی ہے۔ ہندوستان تشریف لانے والے تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اصل اعداد و شمار یقیناً اس تعداد سے کہیں زیادہ ہوں گے جن کا تذکرہ فی الحال راقم کو مختلف قدیم کتب میں مل سکا ہے۔ یہ مختصر مضمون ان تمام نفوسِ قدسیہ کے تفصیلی تذکرہ کا متحمل ہرگز نہیں ہو سکتا، اس کے لیے تو کئی ضخیم دفتر درکار ہوں گے، لیکن پھر بھی قارئین کے تجسس کے پیش نظر ذیل میں ارضِ ہندوستان کو اپنے وجودِ مسعود سے رونق بخشنے والے معزز صحابہ و تابعین کرام میں سے چند کے مختصر حالات پیش خدمت ہیں:

والی بحرین و عمان حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو طائف کا امیر بنایا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہدِ خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں آپ رضی اللہ عنہ کو طائف کی امارت پر برقرار رکھا، بعد میں بحرین و عمان کی ولایت کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ کو سونپ دی گئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک عظیم مجاہد تھے۔ علامہ ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں میں بہترین صحابی رسول ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طائف کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ انھوں نے ہندوستان کے تین شہروں میں جہاد کیا ہے۔"

حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ سے ان کے بھتیجے یزید بن الحکم بن

ابی العاص، ان کے موالی حکم، سعید بن المسیب، موسیٰ بن طلحہ، نافع بن جبیر بن مطعم، ابوالعلاء بن الشخیر اور مطرف بن الشخیر وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ "ان سے اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔" امام احمد بن حنبلؒ نے حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے عثمان بن ابی العاصؓ سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ ہم لوگ ان کے مکان پر جا کر ان سے حدیث کی روایت کرتے تھے۔" حضرت عثمان الثقفی کے تفصیلی حالات کے لیے تقریب التہذیب لابن حجرؒ، تہذیب التہذیب لابن حجرؒ، معرفۃ الثقات للعجلیؒ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجرؒ اور الاستیعاب فی اسماء الصحابہ للقرطبی مالکیؒ وغیرہ[21] ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت حکم بن ابی العاص الثقفیؓ:۔

مشہور مورخ احمد بن یحییٰ البلاذری بیان کرتے ہیں کہ "عہد فاروقی ۱۵ھ میں والی بحرین و عمان حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص الثقفیؓ کو گجرات کے شہر بھڑوچ کی مہم پر روانہ کیا تھا چنانچہ یہ مقام اسلام کے زیرنگیں آگیا تھا۔"[22] پھر ۲۳ھ میں حکم بن ابی العاصؓ کی سرکردگی ہی میں مکران کا علاقہ بھی فتح ہوا۔[23]

حکم بن ابی العاص الثقفیؓ کو امام بخاریؒ، امام ابن حبانؒ اور حافظ

---

[21] تقریب التہذیب ۲/۱۰، تہذیب التہذیب ۷/۱۲۸، معرفۃ الثقات ۲/۱۲۹، الاصابہ ۲/۴۵۳، الاستیعاب ۳/۹۰، [22] فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۳۸، [23] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۶/۱۴۱، تاریخ اسلام ۲/۴۸۔

ابن عبدالبرؒ وغیرہ نے بصرہ کے علماء محدثین میں شمار کیا ہے لیکن بعض علماء نے ان سے مروی بعض احادیث کو مرسل بتایا ہے چنانچہ عجلیؒ نے انھیں "ثقہ تابعی" لکھا ہے جب کہ ابن سعد، ابوحاتم اور ابن حجر رحمہم اللہ نے ان کے متعلق صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانے کی صراحت کی ہے۔ ان سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں معاویہ بن قرۃ کا نام قابل ذکر ہے۔ حضرت حکم بن ابی العاص بن نصر بن عبد بن دھمان الثقفیؓ کے تفصیلی ترجمہ کے لیے التاریخ الکبیر للبخاریؒ معرفۃ الثقات للعجلیؒ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ، تجرید اسماء الصحابۃ للذہبیؒ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ، فتوح البلدان للبلاذریؒ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجرؒ اور الاستیعاب فی اسماء الصحابہ للقرطبی مالکیؒ وغیرہ[۲۴] ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) حضرت مغیرہ بن ابی العاص الثقفیؓ :-

آپؓ بھی حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ کے بھائی تھے۔ عہد فاروقی میں والیٔ بحرین و عمان حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ نے آپؓ کو سندھ کے شہر دیبل پر لشکر کشی کے لیے روانہ کیا تھا۔ حضرت مغیرہؓ نے اس معرکہ میں فتح پائی تھی۔ ملاحظہ ہو فتوح البلدان للبلاذری[۲۵] وغیرہ۔

(۴) حضرت حکم بن عمرو التغلبیؓ

---

[۲۴] معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۳۱۲، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/۱۲۰، تجرید اسماء الصحابہ للذہبی ۱/۱۳۵، الاصابہ لابن حجر ۱/۳۴۴، الاستیعاب للقرطبی ۱/۳۱۵،

[۲۵] فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۳۸۔

آپ کے متعلق مورخین نے کئی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت حکم التغلبی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابی تھے جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (یعنی ۲۳ھ) میں مکران کا محاصرہ کیا اور وہاں کے راجا کو شکست فاش سے ہمکنار کیا۔ ابو حاجب سوادہ بن العاصم، ابو الشعثاء دلجہ بن القفیس، جابر بن زید الافروی اور عبداللہ بن الصامت وغیرہ ــــ نے آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ تفصیلی حالات کے لیے الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر رحمہ اللہ اور تاریخ الطبری[۲۶] وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) حضرت صحار بن عباس العبدی :-

حضرت صحار نے عہد فاروقی (یعنی ۲۳ھ) میں حضرت حکم بن عمرو التغلبی رحمہ اللہ کی امارت میں مکران کے محاصرہ اور جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ہی وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنھیں حضرت حکم بن عمرو التغلبی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس فتح مکران کی خوش خبری اور حاصل شدہ مالِ غنیمت لے کر روانہ کیا تھا۔

محمد بن اسحاق الندیم اپنی "فہرست" میں فرماتے ہیں کہ "صحار العبدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ۲ یا تین ۳ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایام معاویہ میں ان کا شمار خطباء اور نسابین میں ہوا کرتا تھا۔" آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں منصور بن منصور اور ان کے دو صاحبزادے (جعفر بن صحار العبدی اور عبدالرحمن بن صحار العبدی) ہیں۔ تفصیلی حالات

۲۶ھ الاصابہ لابن حجر ۱/۳۴۶، تاریخ الطبری ۴/۱۸۱۔

کے لیے الفہرست لابن الندیمؒ، الاصابہ لابن حجرؒ اور الاستیعاب للقرطبی مالکیؒ[۲۶]
وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمیر الاشجعیؓ:

حضرت ابن عمیر الاشجعیؓ بھی عہد فاروقی یعنی ۲۳ھ میں مکران، فارس اور سجستان کے معرکوں میں شریک تھے اور آپ نے شاندار خدمات انجام دی تھیں۔ سجستان سے متصل علاقہ "سندھ" میں بھی آپ کی فوجی سرگرمیوں کی شہادت ملتی ہے۔ ابن الوقدان نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن مندہؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ کی مروی احادیث کی تخریج کی ہے۔ تفصیلی حالات کے لیے الاصابہ لابن حجرؒ اور الاستیعاب للقرطبیؒ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔[۲۸]

(۷) حضرت سہل بن عدی بن مالک بن حرام الخزرجیؓ:

حضرت عمر بن الخطابؓ نے آپؓ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بصرہ اس فرمان کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ آپ کو ہندوستان کے جہاد پر روانہ کریں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت سہل بن عدیؓ کو کرمان کی مہم پر روانہ کیا۔ کرمان آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ تفصیلی حالات کے لیے الاصابہ لابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔[۲۹]

---

[۲۷] الاصابہ لابن حجر ۲/۱۷۰-۱۷۱، الاستیعاب للقرطبی مالکی ۲/۱۹۳، [۲۸] الاصابہ لابن حجر ۲/۳۴۶، الاستیعاب للقرطبی ۲/۳۵۳۔ [۲۹] الاصابہ لابن حجر ۲/۸۸۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان الاموی:

عہد فاروقی میں حضرت سہل بن عدیؓ کی امارت میں آپؓ نے کرمان کے معرکہ میں جہاد کیا تھا۔ ابوالشیخؒ نے آپ کا تذکرہ اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ تفصیلی حالات کے لیے الاصابہ لابن حجرؒ وغیرہ کی طرف مراجعت[۳۰] مفید ہوگی۔

(۹) حضرت عاصم بن عمرو التمیمیؓ:

حضرت عمرؓ نے آپؓ کو حضرت سہل بن عدیؓ کے ساتھ سجستان کے معرکہ پر روانہ کیا تھا۔ اس مہم پر آپ نے خوب داد شجاعت پیش کی۔ محدثین کے نزدیک آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانا اور آں صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث درست نہیں ہے۔ مزید ترجمہ کے لیے الاصابہ اور الاستیعاب وغیرہ ملاحظہ فرمائیں[۳۱]۔

(۱۰) حضرت ربیع بن زیاد الحارثیؓ:

امام بخاریؒ، ابن ابی حاتمؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے، لیکن بعض کے نزدیک آپ کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عامر نے ۲۹ھ میں آپ کو سجستان کی مہم کے لیے امیر مقرر کیا تھا اور یہ علاقہ آپ کی سرکردگی میں فتح ہوا تھا۔ عبیداللہ بن ابی بکرہ نے انھیں خراسان و بلخ کا والی مقرر کر کے بھیجا تو یہ علاقے بھی آپ کے ہاتھوں ہی فتح ہوئے۔ سندھ کی قدیم ترین عربی تاریخ "چچ نامہ" اور "المبرز فی الکامل" میں مذکور ہے کہ

[۳۰] ایضاً ۲/۳۲۸ ـ [۳۱] ایضاً ۲/۲۳۸، الاستیعاب ۳/۱۳۵ ـ

"امیر بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کو مکران و کرمان کے شہ سواروں کا امیر مقرر فرمایا تھا"۔ آپ سے کوئی مسند حدیث مروی نہیں ہے۔ آپؓ نے فقط حضرت عمر بن خطابؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن حبیب اور ابن کلبی وغیرہ نے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ مطرف بن الشخیر اور حفصہ بنت سیرین نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ تفصیلی ترجمہ کے لیے چچ نامہ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، الاستیعاب، تقریب التہذیب، المبرد فی الکامل، الثقات لابن حبانؒ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ اور التاریخ الکبیر وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔[32]

(۱۱) حضرت عبید اللہ بن معمر بن عثمان التیمی القرشیؓ:-

آپؓ کو حضرت عثمانؓ نے ۲۹ سنہ ھ میں مکران کی مہم پر روانہ فرمایا تھا۔ علامہ قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت عبید اللہ بن معمر نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہؓ کی معیت میں فتح کابل وغیرہ میں شرکت کی تھی۔ آپ صاحب ثغرہ (گنداوا) تھے۔" لڑکپن میں آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور صحبت نبوی پائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرات عمر، عثمان اور طلحہ رضی اللہ عنہم سے آپ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں عروہ بن الزبیر، ابن سیرین اور آپ کے فرزند عمر بن عبید اللہ بن معمر وغیرہ شامل ہیں۔ ابو عاصمؒ، بغویؒ اور ابن مندہؒ وغیرہ نے آپ سے مروی حدیث کی تخریج کی ہے۔ ابن مندہ کا قول ہے کہ: "علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عبید اللہ بن معمرؓ نے صحبت رسولؐ پائی تھی یا نہیں"۔ تفصیلی ترجمہ کے لیے التاریخ الکبیر للبخاریؒ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ، الاصابہ لابن حجرؒ اور الاستیعاب للقرطبیؒ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔[33]

---

[32] چچ نامہ ص۷۳، الاصابہ ۱/۲۹۲، الاستیعاب ۱/۳-۵، تقریب التہذیب ۱/۲۴۴۔

[33] الاصابہ ۲/۴۳۲، الاستیعاب ۲/۴۲۵-۴۲۶۔

۱۲۔ **حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ السلمی رض** :۔ آپ نے ۳۱ھ میں قفس اور کرمان کے علاقوں کو فتح کیا۔ جب دشمن کی ہزیمت خوردہ افواج کے مکران میں جمع ہونے کی خبر آپ تک پہنچی تو حضرت مجاشع نے مکران پر حملہ کرکے اسے بھی زیر کیا تھا۔ دولابی نے بیان کیا ہے کہ : "حضرت مجاشع نے بلادِ ہند میں سے کابل وغیرہ کے معرکوں میں حصہ لیا اور ان علاقوں کو زیر کیا تھا۔ آپ وہاں کے مندروں میں داخل ہوئے اور بڑے بت کی آنکھوں میں سے جواہرات نکال لیئے"۔ بعض مؤرخین یہ بتاتے ہیں کہ : "آپ نے وہ جواہرات لیئے نہیں تھے بلکہ وہاں کے لوگوں کو یہ تعلیم دینے کے لیئے بت کی آنکھوں سے نکالے تھے کہ یہ بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کو نقصان"۔ امام بخاری وغیرہ کا قول ہے کہ حضرت مجاشع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانے کا شرف حاصل ہے۔ صحیحین میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔ ابوساسان الرقاشی، حصین بن المنذر، یحیی بن اسحاق، ابوعثمان النہدی، کلیب بن شہاب اور عبدالملک بن عمیر وغیرہ نے آپ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ مزید حالات کے لیئے الاصابہ لابن حجر، الاستیعاب للقرطبی اور تقریب التہذیب لابن حجر وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ [۳۴]

۱۳۔ **عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب العبشمی القرشی رض** :۔ امام بخاری نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کے متعلق صحبت نبوی پانے کی صراحت کی ہے۔ آپ نے یوم الفتح کو اسلام قبول کیا اور غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[۳۴] تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۲۲۹، الاصابہ ۳/۳۴۲، الاستیعاب ۳/۴۳۹۔

وسلم کے ساتھ شریک جہاد ہوئے تھے۔ یہ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنھوں نے عہدِ عثمانی میں سجستان، زابلستان، رخج، کابل، داور، سندھ اور مکران کی بعض مہمات میں مجاہدانہ سرگرمیاں دکھائی تھیں۔

ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ: "عبداللہ بن عامر نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سجستان، خراسان اور کابل وغیرہ کی جنگوں کے لیئے امیر مقرر کیا تھا۔ ان مہموں میں آپ کے ساتھ حسن بن ابی الحسن، مہلب بن ابی صفرہ اور قطری ابن الفجاءۃ وغیرہ شریک تھے۔ یہ علاقے آپ کی سرکردگی میں فتح سے ہمکنار ہوئے۔" آپ سے حدیث روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عباس، قتاب بن عمیر، حصان بن کاہل، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، حسن بصری، ابولبید اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ وغیرہ جیسے نامور تابعین شامل ہیں۔ آپ کے تفصیلی حالات التاریخ الکبیر للبخاری، الطبقات الکبرےٰ لابن سعد، الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی وغیرہ میں مذکور ہیں۔[۳۵]

۱۴۔ **حضرت سنان بن سلمہ بن المحبق الھذلی رضؓ:** ۔ حضرت سنان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کا شرف حاصل ہے، مگر سماع کا نہیں ہے۔ آپ نے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور اپنے والد سلمہ بن المحبق سے مرسل احادیث روایت کی ہیں۔ عجلی نے انھیں "بصرہ کا ثقہ تابعی" بتایا ہے۔ پہلی بار ۴۲ھ میں بسلسلۂ جہاد بلادِ سندھ تشریف لائے۔ پھر جب امیر معاویہ نے انھیں زیاد کے پاس ہندوستان کی فتوحات میں شرکت کے لیئے بھیجا تو زیاد نے حضرت سنان بن سلمہ کو ۵۰ھ میں ہندوستان کی

---

۳۵ الاصابہ ۲/۳۹۳، الاستیعاب ۲/۳۱۴۔

مہمات کے لیئے امیر بنا کر بھیجا۔ آپ نے سندھ کے علاقہ میں بہت سی فتوحات کیں۔ سلمہ بن جنادہ، معاذ بن سعوہ اور ابوعبد الصمد جبیب نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ حضرت سنان سے قتادہ کی حدیث مدلس ہیں۔ ابن شاہین نے سلمہ بن جنادہ عنہ کی روایت سے ان کی حدیثیں وارد کی ہیں۔ حضرت سنان کا انتقال حجاج کی امارت کے اواخر میں ہوا تھا۔ ترجمہ کی مزید تفصیلات کے لیئے تقریب التہذیب لابن حجر، تہذیب التہذیب لابن حجر، معرفۃ الثقات للعجلی، التحفۃ اللطیفہ للسخاوی، الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ ۳۶ھ

۱۵۔ حضرت منذر بن جارود العبدی رضؓ: ۔ ہندوستان کی فتوحات کے سلسلہ میں حضرت منذر کو "ثغر قندابیل" یعنی موجودہ "گنداوا" اور بلوچستان کے علاقوں کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اسی سال آپ نے وفات پائی اور وہیں مدفون ہو کر ارضِ ہند کو ایک صحابئ رسول کی امین ہونے کا شرف بخشا۔ ملاحظہ فرمائیں: الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی وغیرہ۔ ۳۷ھ

۱۶۔ حضرت عمرو بن عثمان بن سعد التیمی رضؓ: ۔ آپ سندھ و مکران کی فتوحات کے سلسلہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات الاصابہ لابن حجر، اور الاستیعاب للقرطبی مالکی وغیرہ میں مذکور

۳۶ھ تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۳۴۴، الاصابہ لابن حجر ۲/۱۳۰، التحفۃ اللطیفہ للسخاوی ۲/۱۹۵، تہذیب التہذیب لابن حجر ۴/۲۴۱، معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۴۲۸، الاستیعاب للقرطبی ۲/۸۰۔ ۳۷ھ الاصابہ ۳/۴۲۹، الاستیعاب ۳/۴۴۱۔

ہیں۔ ۳۸ھ

۱۷۔ حضرت خریت بن راشد الناجی رضؓ: ۔آپ کو عبداللہ بن عامر نے سندھ، مکران اور بلادِ فارس کی فتوحات و امارت کے لیئے مامور کیا تھا۔ آپ کے تفصیلی حالات الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی وغیرہ میں درج ہیں۔ ۳۹ھ

۱۸۔ حضرت تمیم الداری رضؓ: ۔ آپ ۹ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ کے متعلق ایک زبان زد روایت یہ ہے کہ آپ جنوبی ہند میں فتوحات کے پیشِ نظر نہیں بلکہ تبلیغ اور اشاعت اسلام کی غرض سے تشریف لائے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔ مدراس کے نواحی ساحل "کوڈلم" پر آج بھی ان کی تبران کے درود مسعود کی شہادت دینے کے لیئے موجود ہے۔ بعض لوگ حضرت تمیم الداری کو صحابیٔ رسول اور بعض تابعی بتاتے ہیں۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری صاحب نے حضرت تمیم الداری کو صحابیٔ رسول کی حیثیت سے شمار کیا ہے۔ ۴۰ھ لیکن کتب اسماء الصحابہ میں ان بزرگ کا ترجمہ راقم کو کہیں نہ مل سکا۔ البتہ ایک اور مشہور صحابیٔ رسول، جن کا نام بھی حضرت تمیم الداری ہے، کے متعلق متداول کتب میں مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بیت المقدس میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جامع ترمذی وغیرہ میں ان کی مرویات موجود ہیں۔ ان کے ترجمہ کے لیئے تقریب التہذیب لابن حجر، الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی وغیرہ

۳۸ھ الاصابہ ۳/۷، الاستیعاب ۲/۴۹۱۔ ۳۹ھ الاصابہ ۱/۴۲۳، الاستیعاب ۱/۴۵۳-۴۵۴۔ ۴۰ھ خلافت راشدہ اور ہندوستان ص۴۷۔

کا مطالعہ مفید ہوگا۔ [141]

واضح رہے کہ سرزمین سندھ و ہند کو شرف قدم بوسی بخشنے والے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ پھر جن صحابہ کرام نے مکران، قھہرج، جیال پایہ، دیبل، بلوچستان، سندھ، گندا، زابلستان، رخج، کابل، داور، سجستان اور کرمان وغیرہ کی متعدد بار ہونے والی فتوحات میں حصہ لیا ان کے تلامذہ یعنی تابعین اور تبع تابعین کی ایک کثیر تعداد بھی ان کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائی، جن سب کا تذکرہ اس مختصر مضمون میں تو ممکن نہیں، البتہ ان میں سے چند مشہور تابعین کا ذکر خیر ذیل میں پیش خدمت ہے

ہندوستان تشریف لانے والے تابعین کرام

۱۔ اس سعید جماعت کے ایک بزرگ مشہور تابعی سعد بن ہشام بن عامر الانصاری المدنی رح تھے جو رشتہ میں حضرت انس بن مالک کے چچازاد بھائی تھے۔ سعد بن ہشام کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت ہشام بن عامر الانصاری وغیرہ جیسے جلیل القدر اصحاب رسول سے سماع حدیث کا شرف حاصل تھا۔ جن حضرات نے آپ کے حلقۂ درس حدیث میں شمولیت کی ان میں حسن بصری، حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفیٰ اور حمید بن عبدالرحمٰن وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

---

[141] الاصابہ ۱/۱۶۱، الاستیعاب ۱/۱۸۶، تقریب التہذیب ۱/۱۱۳۔

امام ابن حجر عسقلانی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ : "ثقہ تھے اور محدثین کے طبقہ سوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ارضِ ہندوستان میں شہادت پائی تھی"[42] ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ : "سعد بن ہشام نے سرزمین ہند میں حضرت عمر کے عہد خلافت میں شہادت پائی تھی"۔ امام ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ : "آں رحمہ اللہ نے ارض مکران میں دوران غزوہ جام شہادت نوش فرمایا تھا"۔ امام بخاری نے بھی اپنی "التاریخ الکبیر" میں سعد بن ہشام کے متعلق لکھا ہے : "قتل فی أرض مکران علی أحسن حالہ۔" یعنی وہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ مکران میں شہید کئے گئے۔ تفصیلی ترجمہ کے لئے الثقات لابن حبان، التاریخ الکبیر للبخاری اور تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی کی جانب مراجعت مفید ہوگی۔

۲۔ مہلب بن ابی صفرہ رحؒ:۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت یعنی ۴۴ھ میں آپ نے سجستان، خراسان اور کابل کے معرکوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ العبشمیؓ کے ساتھ مجاہدانہ شرکت کی تھی۔ بلاذری کا قول ہے کہ : "مہلب بن ابی صفرہ نے ۴۴ھ میں ہندوستان کی سرحد پر حملہ کیا اور بنّہ اور لاہور تک پہنچا جو ملتان اور کابل کے درمیان ہیں"۔ میاں اخلاق احمد (ایم۔ اے) بیان کرتے ہیں کہ : "حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں مہلب بن مغیرہ کی فوجوں نے کابل اور ملتان کے درمیان بعض علاقوں کو فتح کیا اور یہاں کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرایا"[43] امام ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں : "ثقات امراء میں سے تھے۔ جنگی

---

[42] تقریب التہذیب ۱/۲۸۹۔ [43] دو تذکرے صوفی، مرتبہ میاں اخلاق احمد ص۴۲۔

تکنیک سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا آپ کے دشمنوں نے آپ پر کذب کا بہتان لگایا ہے۔ آپ کا تعلق تابعین کے طبقہ دوم سے ہے۔ آپ سے مرسل روایات مروی ہیں"۔ [۴۴]

۳۔ قطری بن الفجاءۃ رحمہ اللہ:۔ آپ کو بھی سجستان، خراسان اور کابل کی فتوحات میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ العبشمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کا شرف حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر عسقلانی وغیرہ۔ [۴۵]

۴۔ الحسن بن ابی الحسن البصری رحمہ اللہ:۔ آپ کا شمار سادات تابعین میں ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ نے بچشم خود دیکھا اور ان کے خطبہ کو سنا تھا۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے دیکھا تھا مگر ان سے آپ کا سماع ثابت نہیں ہے۔ احادیث کی روایت میں بکثرت ارسال و تدلیس سے کام لیتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ العبشمی کے ساتھ آپ نے سجستان، خراسان اور کابل وغیرہ کی جنگوں میں ۴۴ھ میں بغرض جہاد شرکت کی تھی۔ تفصیلی حالات کے لیے جامع التحصیل للعلائی، الاصابہ لابن حجر، تہذیب الکمال للمزی، تقریب التہذیب لابن حجر، تعریف اہل التقدیس لابن حجر، معرفۃ الثقات للعجلی، تہذیب التہذیب لابن حجر، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، تاریخ یحییٰ بن معین، التاریخ الکبیر للبخاری، العلل لابن المدینی، ہدی الساری لابن حجر، فتح الباری لابن حجر، تذکرۃ الحفاظ للذہبی، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری، سنن الدارقطنی، المستدرک للحاکم، السنن الکبریٰ للبیہقی اور

---

[۴۴] تقریب التہذیب ۲/۲۸۰۔

[۴۵] الاصابہ لابن حجر ۱/۹۱۔

نصب الرایہ للزیلعی وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔[۴۶]

۵۔ **راشد بن عمرو بن قیس الازدی** رحمہ اللہ :۔ یہ مشہور تابعی بھی بلادِ سندھ و ہند کے بعض معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ آپ نے حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں ہرمز بھی فتح کیا تھا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ: "اہالیانِ سندھ کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے لیے راشد بن عمرو الازدی نے بہت جد و جہد کی تھی۔ علاقۂ سندھ کے ہی ایک جہاد میں آں رحمہ اللہ نے شہادت پائی تھی۔"

---

[۴۶] جامع التحصیل للعلائی ص۱۳۵، الاصابہ لابن حجر ۱/۱۹۱، تہذیب الکمال للمزی ۱/۲۵۵–۲۵۹، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۱۶۵، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۱۷، تعریف اہل التقدیس لابن حجر ص۵۶، معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۲۹۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۲/۲۶۳، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/۴۰–۴۲، تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۲۲۹، التاریخ الکبیر للبخاری ۲/۲۹۰، العلل لابن المدینی ص۵۱، ۵۳، ہدی الساری لابن حجر ص۳۶۷، فتح الباری لابن حجر ۱/۱۰۹؛ ۲/۲۶۸؛ ۴/۳۱۹؛ ۵/۸۹، ۲۴۱، ۳۰۷؛ ۶/۴۳۷؛ ۹/۲۲۲، ۳۸۲، ۴۰۳؛ ۱۰/۲۷۷؛ ۱۱/۶۹؛ ۱۲/۸۰؛ ۱۳/۶۶، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱/۵۲۵، ۵۳۷، ۵۳۸؛ ۴/۴۳۶، ۵۲۰، ۶۸۶؛ ۶/۵۹۱؛ ۷/۱۱۱، ۲۹۷، ۴۸۳؛ ۸/۱۹۹؛ ۹/۱۸۷، نصب الرایہ للزیلعی ۱/۲۰، ۴۸، ۵۱، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۷۲، ۲۰۵، ۲۸۲؛ ۲/۹۲، ۱۲۶، ۱۵۹، ۴۱۹، ۴۷۶؛ ۳/۲۲۱، ۳۸۶؛ ۴/۳۹، ۴۸، ۱۶۳، ۱۶۷، ۲۷۰، ۳۱۳، سنن الدارقطنی ۱/۱۰۲، ۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۱۶۸؛ ۵/۲۸۸، ۳۱۳؛ ۶/۴۲؛ ۸/۳۵؛ ۱۰/۷۰، ۸۰، المستدرک للحاکم ۱/۱۷۶، ۲۱۵، ۲۷۴؛ ۲/۳۵۔

۶۔ **حارث بن مرہ العبدیؒ**:۔ تابعین کی اس جماعت کے ایک اور بزرگ حارث بن مرہ العبدی تھے جو حضرت علی کے شاگرد اور معاونِ خاص بھی تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ عبد القیس سے تھا۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی کی فوج کے میسرہ پر آپ ہی مقرر تھے۔ ۳۸ھ میں حضرت علی کے حکم سے حدود ہند میں داخل ہوئے اور وہاں اپنی فیاضی، وسعتِ علم اور شجاعت کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ ایک روایت کے مطابق "حارث بن مرہ العبدی نے حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ معرکۂ قلات میں شہادت پائی"۔ آپ کبارِ صحابہ سے ملے تھے اور ان سے علمِ حدیث حاصل کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ: "مدرک صحابہ میں سے تھے"۔

تابعین کرام میں سے بعض بزرگ حضرت امیر معاویہ کے عہدِ خلافت میں اس وقت ہندوستان تشریف لائے تھے جب ۴۴ھ میں مسلمان افواج ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر حملہ آور ہوئیں۔ امیر معاویہ کے عہد میں معرکۂ ہندوستان کے متعلق امام ابن کثیر فرماتے ہیں: "وقد غزا المسلمون الهند في أيام معاوية سنة ٤٤ھ"[۴۷]۔ خیر القرون کے ان مسلمانوں کے پیشِ نظر ہندوستان پر لشکر کشی کا مقصد جہاں اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ تھا وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ، بالخصوص غزوۂ ہند کے بارے میں وارد مندرجہ ذیل احادیث بھی زبردست محرک تھیں:

۱۔ عن أبي هريرة قال:	"حضرت ابو ہریرہ سے مروی
وعدنا رسول الله ﷺ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۴۷ھ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۶/۲۲۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فإن أدرکتھا أنفق فیھا نفسی ومالی، فإن أقتل کنت من أفضل الشھداء، وإن أرجع فأنا أبو ھریرۃ المحرر[48]

نے ہم سے ہندوستان میں غزوہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہوا تو اس میں اپنی جان و مال خرچ کروں گا، اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس آگیا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرہ رہوں گا۔"

(نوٹ:۔ حضرت ابو ہریرہ کی ایک دوسری روایت میں "فإن أقتل کنت من أفضل الشھداء، وإن أرجع" الخ کے بجائے "وإن قتلت کنت أفضل الشھداء، فإن رجعت" الخ کے الفاظ مروی ہیں[49]۔)

۲۔ عن ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "عصابتان من أمتی حرزھما اللہ من النار، عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون

"ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دو گروہوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ

---

[48] سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ۲/۵۶، وکذا فی البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۹/۹۵، سبحۃ المرجان از غلام علی آزاد ص۱۲، خلافت راشدہ اور ہندوستان للقاضی اطہر مبارکپوری ص۳۶۔ [49] سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ۲/۵۶۔

مع عیسی بن مریم	گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے
علیہما السلام"۔ [۵۰]	ساتھ رہے گا۔

حضرت ثوبان سے مروی ایک دوسری حدیث میں "حرزھما" کے بجائے "أحرزھما" کے الفاظ وارد ہیں۔ اس کی تخریج امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں کی ہے مگر طبرانی کی اسناد روایت میں تابعی کا نام ساقط ہے جو بظاہر راشد بن سعد ہے۔ "اسناد کے بقیہ رجال ثقات ہیں" جیسا کہ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" میں تصریح فرمائی ہے[۵۱]۔

خلافت راشدہ اور اموی دور حکومت میں اقلیم ہند پر جن عسکری کوششوں کی ابتدا ہوئی تھی وہ اگرچہ بہت منظم اور وسیع پیمانہ پر نہ تھیں مگر ان کا سلسلہ برابر جاری رہا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۶۳۲ء) کے تقریباً اسی سال بعد ۹۳-۹۴ھ (بمطابق ۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم نے علاقۂ سندھ پر ایک زبردست اور کامیاب حملہ کیا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ:

"محمد بن قاسم نواحی سیستان سے سندھ میں داخل ہوا۔ دیبل، بہمنو (بہمن آباد) اور مولستان (ملتان) کو فتح کرتا ہوا شہر قنوج تک جا پہنچا۔ واپسی پر اس نے کشمیر کی حدود کو بھی پے سپر کیا تھا"۔ محمد بن قاسم کے اس حملہ آور لشکر میں بے شمار تابعین، تبع تابعین، جلیل القدر محدثین، فضلاء اور اتقیاء شریک ہوئے تھے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے کیا جائے گا۔

انجمن خدام القرآن لاہور اور تنظیم اسلامی پاکستان کے مؤسس وامیر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے مضمون "اسلام برصغیر پاک و

---

۵۰ سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ۲/۵۶۔ ۵۱ مجمع الزوائد للہیثمی ۵/۲۸۲۔

ہند میں" میں محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ، اس کے پس منظر اور اثرات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"برصغیر پاک و ہند میں خورشید اسلام اولاً عین غرب یعنی مکران اور بلوچستان کے افق پر خلافت بنی امیہ کے زمانے میں اس وقت طلوع ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر اسّی برس بیت چکے تھے اور دور خلافت راشدہ کو ختم ہوئے بھی نصف صدی کے لگ بھگ عرصہ گزر چکا تھا اور اسلام کے صدر اول کا جوش و خروش کم ہوتے ہوتے تقریباً معدوم کے حکم میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ سرزمین ہند پر "باب الاسلام" سندھ کے راستے اسلام کا یہ ورود اوّل بھی کسی مثبت تبلیغی جذبے یا احساس فرض کا مرہون منت نہ تھا بلکہ ایک وقتی اور فوری اشتعال کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اسلام کی کرنیں موجودہ پاکستان کے بھی صرف نصف جنوبی کو منور کر کے رہ گئیں اور اس مد میں بھی جزر کے آثار فوراً ہی شروع ہو گئے اور برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی یہ آمد اوّلین نہایت محدود بھی رہی اور حد درجہ عارضی بھی۔ گویا سرزمین ہند دور نبوی اور عہد خلافت علی منہاج النبوۃ کی برکات سے تو مطلقاً محروم ہی رہی جس میں ایمان اور یقین کا کیف و سرور اور جہاد و قتال کا جوش و خروش باہم شیر و شکر تھے اور جہاد کی اصل غرض و غایت فریضہ شہادت علی الناس کی ادائیگی کا جذبہ تھا یا حصول مرتبہ شہادت کا ذوق و شوق نہ کہ ملک گیری و کشور کشائی کی ہوس یا مال غنیمت

وذاسبابِ عیش کی حرص ۔ مزید محرومی یہ رہی کہ اس خالص
عربی الاصل اسلام کے اثرات سے متمتع ہونے کا موقع بھی بہت
ہی کم ملا جس میں دین و دنیا کی وحدت و یگانگت ابھی اس حد
تک باقی تھی کہ رات کے راہب ہی دن کے شہسوار ہوتے تھے[۵۰]"

ڈاکٹر صاحب کا یہ اقتباس اغلاط کا ایک مجموعہ ہے ۔ اس میں کئی تاریخی حقائق اور وقائع کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر " برصغیر پاک و ہند میں خورشید اسلام اولاً ..... اس وقت طلوع ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر اسّی برس بیت چکے تھے اور دورِ خلافت راشدہ ..... عرصہ گزر چکا تھا "۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خورشید اسلام کی کرنوں نے ۱۵ھ میں ہی ہندوستان کے بعض علاقوں کو منور کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۔ اقتباس بالا کی دوسری خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ " اسلام کے صدر اول کا جوش و خروش ..... داخل ہو چکا تھا "۔ یہ سچ ہے کہ ان مجاہدوں میں صدر اوّل یعنی صحابہ کرام جیسا جوش و خروش اور اسلامی جذبہ و ایثار موجود نہ ہوگا لیکن پھر بھی ان مجاہدین میں تابعین، تبع تابعین و محدثین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جن کے اخلاص و جذبہ و ایثار پر اس حد تک شک کرنا کہ " معدوم کے حکم میں داخل " سمجھا جانے لگے کسی طرح روا نہیں ہے ۔ اقتباس کا اگلا جملہ بھی نہایت قابل اعتراض ہے کیونکہ سندھ کے راجہ داہر کی مملکت پر محمد بن قاسم کا حملہ صرف " ایک فوری اشتعال کا نتیجہ " نہ تھا بلکہ اس کے پس پشت بھی اشاعت و تبلیغ اسلام کا جذبہ ، " غزوۂ ہند " میں شریک ہو کر " افضل الشہداء " اور " احراز من النار " والی نبوی بشارتیں

---

۵۰ ماہنامہ حکمت قرآن لاہور جلد ۶ عدد شمارہ ۲ ص ۳۷ مجریہ ماہ فروری ۱۹۸۷ء

کار فرما تھیں ۔ لہٰذا اس عظیم اسلامی فتح کے متعلق یہ سوئے ظن رکھنا کہ یہ لشکر کشی محض "ملک گیری و کشور کشائی کی ہوس یا مال غنیمت و اسباب عیش کی حرص" کے زیر اثر عمل میں آئی تھی ایک بڑی جسارت ہے ۔ تاریخ پر گہری بصیرت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم کے حملہ نے "موجودہ پاکستان کے صرف نصف جنوبی" حصہ کو ہی اسلام کے زیر نگیں نہیں کیا تھا بلکہ سندھ کے علاوہ صوبہ پنجاب کے ایک وسیع علاقے کو بھی فتح کیا تھا پھر "برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی یہ آمد" شمال مغربی علاقوں تک "محدود" ضرور رہی لیکن "عارضی" ہرگز نہ تھی ۔ چنانچہ اہالیان ہند کو "اس خالص عربی الاصل اسلام کے اثرات" و فیوض و برکات سے "متمتع ہونے کا موقع" ایک طویل زمانہ تک میسر رہا ۔ یہ بھی حق اور واقعہ ہے کہ محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ نے اشاعت و تبلیغ اسلام کے کام کو بہت تقویت پہنچائی تھی ۔ سندھ و پنجاب کے اکثر شہروں میں درس قرآن و حدیث کے عظیم مراکز و مدارس قائم ہوئے جن میں مسانید درس پر وہ جلیل القدر تابعین و تبع تابعین جلوہ افروز ہوئے جنہوں نے معرکۂ ہند میں محمد بن قاسم کے ساتھ بالفعل شرکت کی تھی ، چنانچہ مشہور مؤرخ بلاذری اور سندھ کی قدیم ترین عربی تاریخ "چچ نامہ" کے مؤلف بیان کرتے ہیں :

> "محمد بن قاسم نے ۹۳-۹۴ھ میں ہندوستان کے دو مشہور علاقوں یعنی سندھ و پنجاب کو فتح کیا اور وہاں موسیٰ بن یعقوب الثقفی کو باقاعدہ درس حدیث پر مقرر فرمایا ۔"

۸ ۔ ایک اور تابعی ، جو محمد بن قاسم کے ساتھ ایک فوجی کی حیثیت سے وارد ہند ہوئے ، جہاد سندھ میں حصہ لیا اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و تبلیغ کرتے رہے ، کا نام ابو شیبہ یوسف بن ابراہیم التیمی الجوہری

تھا۔ آں رحمہ اللہ کو حضرت انس بن مالک سے سماع حدیث کا شرف حاصل تھا۔ ابو شیبہ کے درس حدیث میں عمرو بن سلیمان، قرہ بن عیسٰی، عبدالرحمٰن بن حسن، عقبہ بن خالد اور مسلم بن عقبہ جیسے عظیم محدثین اور تبع تابعین نے شرکت کی اور اپنے شیخ سے حدیث کی روایت کی۔ ابو شیبہ کے تفصیلی حالات کے لیے میزان الاعتدال للذہبی، تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی اور تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی [۵۳]

۹۔ ایک اور نامور تابعی، جنہوں نے جہاد ہند میں شرکت کی اور معرکۂ سندھ میں محمد بن قاسم کے دست و بازو بنے، کا اسم گرامی زیاد بن الحواری العبدی تھا۔ بعض مؤرخین نے ان کا نام زید بن الحواری العبدی اور بعض نے حواری بن زیاد العبدی بھی لکھا ہے۔ محمد بن قاسم نے جس قافلہ کے ہمراہ راجہ داہر کا سر عراق بھیجا تھا اس قافلہ میں زیاد بن الحواری بھی شریک تھے۔ آپ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابو بشر جعفر، اعمش، عبدالملک بن عمیر، سبیعی، محمد بن فضل بن عطیہ، سلام الطویل اور ایوب بن موسٰی جیسے کبار محدثین نے آپ سے علم حدیث پڑھا تھا۔ امام ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ سندھ کے مبلغین حدیث میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے الثقات لابن حبان اور میزان الاعتدال للذہبی وغیرہ ملاحظہ فرمائیں [۵۴]

۱۰۔ انہی تابعین میں ایک نامور تابعی زائدہ بن عمیر الطائی الکوفی بھی تھے۔

---

[۵۳] میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی ۴/۲۶۱، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۷۰۳؛ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۴/۳۴۰۔ [۵۴] میزان الاعتدال للذہبی ۱/۶۲۲۔

آں رحمہ اللہ کو حضرات عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ اور نعمان بن بشیر جیسے اکابر صحابہ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں محدث ابو اسحٰق السبیعی، یونس ابن ابی اسحٰق اور شعبہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ابن سعد نے آپ کو "طبقہ ثالثہ" کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ ابن حبان نے آپ کو کتاب "الثقات" میں اور عجلی نے "معرفۃ الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ زائدہ بن عمیر الطائی بھی فتح سندھ کے موقع پر محمد بن قاسم کے ہم رکاب ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور ملتان کی طرف پیش قدمی کے وقت اسلامی لشکر میں شریک تھے۔ سندھ کے نو مسلموں میں اسلامی احکام کی تعلیم واشاعت کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی۔ زائدہ بن عمیر کے تفصیلی ترجمہ کے لیے معرفۃ الثقات للعجلی، الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، التاریخ الکبیر للبخاری اور الثقات لابن حبان وغیرہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔[55]

۱۱۔ انہی خوش نصیب تابعین میں ایک تابعی ابو قیس زیاد بن رباح القیسی البصری بھی تھے جنہوں نے محمد بن قاسم کے دوش بدوش جہاد سندھ میں شرکت کی اور نہایت دلیری وشجاعت کا مظاہرہ کیا۔ صاحب "چچ نامہ" بیان کرتے ہیں:

> "محمد بن قاسم نے راجہ داہر کا سر اور جہاد سندھ میں تمام حاصل شدہ مال غنیمت جن دو سپاہیوں کی حفاظت

---

[55] معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۳۶۶، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۲/۶۱۳، التاریخ الکبیر للبخاری ۲/۴۳۱، الثقات لابن حبان ۴/۲۶۵۔

میں عراق بھیجا تھا ، ابو قیس اس حفاظتی دستہ کے امیر تھے۔" الخ

ابو قیس نے حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ حسن بصری وغیرہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ امام ابن حبان ، عجلی اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے آں رحمہ اللہ کو حدیث کی روایت میں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ : "آپ محدثین کے طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے تھے۔" آپ کی مرویات سنن نسائی ، صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں وارد ہیں۔ جہادِ سندھ کے دوران ابو قیس نے تبلیغ اور درس حدیث کا سلسلہ برابر جاری رکھا تھا۔ تفصیلی ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں معرفۃ الثقات للعجلی ، تقریب التہذیب لابن حجر ، تہذیب التہذیب لابن حجر اور التحفۃ اللطیفہ فی تاریخ المدینۃ الشریفہ للسخاوی وغیرہ [56]۔

پس واضح ہوا کہ اس پاک باز گروہ کا ہر فرد نہیں تو کم از کم بیشتر افراد اپنے عمل و کردار سے علم حدیث کے مبلغ ضرور تھے خواہ انہوں نے باقاعدہ مسند درس نہ سنبھالی ہو۔ ان کی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی اشاعت کا داعیہ موجزن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں سے متاثر ہو کر اہالیانِ ہند میں سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے اور اللہ و رسول کے حلقۂ اطاعت میں شامل ہو گئے۔

جب ان اعلیٰ صفات بزرگوں کے علم و فضل بے کراں سے اسلام

---

[56] معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۳۷۳ ، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۲۶۷ ، تہذیب التہذیب لابن حجر ۳/۳۶۶ ، التحفۃ اللطیفہ للسخاوی ۲/۸۶۔

سے نابلد اللہ کی مخلوق جوق در جوق مسلمان ہونے لگی تو اس اہم و مبارک کام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس دورِ سعید کے دوسرے علمائے حدیث کو یہ شوق و دلولہ پیدا ہوا کہ بلادِ عرب سے اقلیم ہند کی طویل اور پر صعوبت مسافت طے کر کے ہندوستان جائیں اور وہاں دین اسلام کی اشاعت میں پوری یکسوئی کے ساتھ منہمک و مصروف ہو سکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کے حملہ کے بعد بھی متعدد جلیل القدر تابعین و تبع تابعین سرزمینِ ہند پر جلوہ افروز ہوتے رہے، مثال کے طور پر :

۱۲۔ یزید بن ابو کبشہ الشامی ؒ :۔ جن کے والد کا نام "حیویل" تھا، ایک مشہور تابعی تھے۔ آپ حجاج کے زمانہ میں امیر جنگ کے عہدہ پر فائز تھے۔ حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد ولید بن عبد الملک نے انھیں بصرہ کے منصب ولایت پر متعین کر دیا تھا۔ امام ابن حجر عسقلانی بیان کرتے ہیں کہ :

"یزید بن کبشہ سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں سندھ کے والی خراج تھے اور انہی کے عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی تھی"۔[۵۷] مملکت کے فوجی و انتظامی امور میں سربراہی کے علاوہ آپ وقت کے ایک بلند پایہ محدث بھی تھے۔ آپ نے شرجیل بن اوس اور حضرت ابو الدرداء وغیرہ سے روایتِ حدیث کی سعادت پائی تھی۔ ابو بشر، حکم بن عتبہ، معاویہ بن قرہ اور ابراہیم ابن عبد الرحمٰن وغیرہ نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں، امام حاکم نے اپنی "المستدرک علی الصحیحین" میں اور امام محمد بن حسن نے کتاب "الآثار" میں ان کی مرویات کی تخریج کی ہے۔ یزید بن

۵۷ھ صحیح بخاری مع فتح الباری ۶/ ۱۳۶۔

ابوکبشہ حالت سفر میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں ان کے متعلق ایک روایت یوں وارد کی ہے: "فكان يزيد يصوم في السفر"۔[۵۸] مگر ہشیم عن العوام بن حوشب کی روایت، جس کی تخریج اسماعیلی نے کی ہے، میں یہ الفاظ مروی ہیں: "وكان يزيد بن أبي كبشة يصوم الدهر" یعنی یزید بن أبی کبشہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

۹۶ھ میں یزید بن ابوکبشہ بغرض تبلیغ سندھ تشریف لائے لیکن یہاں آنے کے کچھ دن بعد ہی انتقال فرما گئے تھے۔ مزید تفصیلی حالات کے لیئے الثقات لابن حبان، التاریخ الکبیر للبخاری اور فتح الباری لابن حجر عسقلانی وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۔ اسی دور کے ایک تابعی موسیٰ السیلانی تھے جو سندھ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک سے حدیث کی سماعت کی تھی اور سندھ کے علاقہ میں ہی علم حدیث کی نشر و اشاعت کے لیئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ حضرت انس بن مالک سے موسیٰ السیلانی کی ملاقات کا ذکر حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں اس طرح کیا ہے:

" ورويناعن شعبة عن موسى السيلاني وأثنى عليه خيرا قال: أتيت أنس بن مالك فقلت: هل بقي من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد غيرك؟ قال: بقي ناس من الأعراب قد رأوه فأما من صحبه فلا. إسناده جيد، حدث

---

[۵۸] صحیح البخاری مع فتح الباری ۶/۱۳۶۔

به مسلم بحضرة أبي زرعة". ۵۹ھ

۱۴۔ ایک اور مشہور تابعی سعید بن اسلم بن زرعہ الکلابیؒ تھے جن کا تعلق قبیلہ بنی ربیعہ بن کلاب سے تھا۔ آپ نے اپنے موالی سے حدیث کی روایت کی ہے جو بنی غفار سے تعلق رکھنے والے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ آپ نے باقاعدہ درس حدیث بھی دیا ہے۔ بکیر بن اشجع وغیرہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ ابن ماکولا وغیرہ کا قول ہے کہ سعید بن اسلم خراسان اور سندھ کے والی تھے۔ بعض کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ آپ مکران کے بھی والی تھے اور وہیں آپ نے شہادت پائی تھی۔ جب تک آپ سرزمین مکران و سندھ پر مقیم رہے، درس حدیث کو اپنا اولین مقصد بنائے رکھا۔ مزید حالات کے لیئے الثقات لابن حبان اور التاریخ الکبیر للبخاری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۔ اسی کاروان مبلغین کے ایک اور بزرگ تابعی حضرت ابن اُسید ابن اُخنس الثقفیؒ تھے۔ آپ نے اپنے والد اُسید بن اخنس الثقفیؓ، اپنے چچا مغیرہ بن اخنسؓ اور بعض تابعین سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ آپ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں سندھ کے والی مقرر ہوئے تھے۔ آں رحمہ اللہ نے بھی سندھ کے علاقہ میں اشاعت حدیث کی بہت خدمت انجام دی ہے۔

۱۶۔ اشاعتِ اسلام کے کارواں میں شامل ایک اور بزرگ تابعی

۵۹ھ مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی ص۲۵۸۔ ۶۰ھ ترجمہ کے لیئے الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر ۳/۱۳۱ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

عبدالرحمٰن بن ابو زید البیلمانی تھے۔ آپ کا شمار مشاہیر تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ نے کبار صحابہ میں سے حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عثمان ابن عفان، امیر معاویہ، سعید بن زید، عمرو بن اوس، عمرو بن عصبہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے نافع بن جبیر اور عبدالرحمٰن الاعرج وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ آپ کے درس حدیث سے فیضیاب ہونے والے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے زید بن اسلم، سماک بن فضل، ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن، خالد بن ابو عمران، یزید بن طلق اور آپ کے صاحبزادہ محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث مثلاً امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہ نے آپ کی روایات کی تخریج کی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ: "آپ کبار شعراء میں سے تھے"۔

عبدالرحمٰن بن زید بیلمانی اصلاً یمن کے رہنے والے تھے اور حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ایک غلام کی حیثیت سے مدینہ لائے گئے تھے۔ بعد میں آپ نے "بیلمان" نامی مقام پر مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، اسی نسبت سے آپ کو بیلمانی کہا جانے لگا۔ "بیلمان" سندھ اور گجرات کے علاقہ کاٹھیاواڑ کے درمیان واقع ایک قصبہ ہے جس کا اصل نام "بھیلمان" ہے، عرب مؤرخین نے "بھیلمان" کی تعریب میں اس کو "بیلمان" کردیا ہے۔ بھیلمان کے گردو نواح کو عبدالرحمٰن بن ابو زید نے ایک عرصہ دراز تک اپنے درس حدیث سے فیضیاب کیا۔ آں رحمہ اللہ کے ترجمہ کیلئے الثقات لابن حبان، فتح الباری لابن حجر، تقریب التہذیب لابن حجر، میزان الاعتدال للذہبی اور تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں [۱۶]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہندوستان میں اتباع تابعین کا وجود اور ان کی علمی خدمات :۔

اب چند اتباع تابعین کے اسماء گرامی اور ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے :

۱۔ اس کاروان کے ایک بزرگ اسرائیل بن موسیٰ البصریؒ تھے۔ آپ ہندوستان میں علم حدیث کا درس دینے کی ہی غرض سے تشریف لائے اور ایک عرصہ دراز تک سندھ میں درس حدیث دیتے رہے۔ آپ کو امام حسن بصری، ابو حازم اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حسین الجعفی اور یحییٰ القطان جیسے کبار محدثین نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ صحیح بخاری، سنن ابوداود، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے آپ کو محدثین کے طبقہ ششم کے ثقات میں شمار کیا ہے اور "نزیل الہند" کہا ہے مگر علامہ ذہبی نے مزید صراحت فرماتے ہوئے آپ کو "نزیل السند" لکھا ہے۔ تفصیلی حالات کے لیئے تقریب التہذیب لابن حجر، میزان الاعتدال للذہبی، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری اور فتح الباری لابن حجر عسقلانی وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔[۶۲]

۲۔ اس جماعت کے دوسرے بزرگ ابو سلیمان ایوب بن یزید بن قیس بن زرارہ تھے۔ بعض لوگوں نے انھیں ابن ابی یزید بھی لکھا ہے۔ بعض مشہور

۵۵۱/۲

[۶۱] فتح الباری لابن حجر ۲۶۲/۱۲، تقریب التہذیب لابن حجر ۶۴/۱، میزان الاعتدال للذھبی، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱۱۸/۲۔ [۶۲] تقریب التہذیب لابن حجر ۶۴/۱، میزان الاعتدال للذھبی ۲۰۸/۱، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۲۴۳/۳، فتح الباری لابن حجر ۶۵/۱۳۔

تابعین سے آپ کو حدیث کی سماعت کا شرف حاصل تھا۔ آپ ایک عظیم المرتبت خطیب، ممتاز محدث اور ادیب تھے۔ فصاحت و بلاغت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حجاج بن یوسف کے دور میں آپ نے ہندوستان کے بہت سے علاقوں بالخصوص پنجاب، سندھ اور مکران وغیرہ کی خوب سیاحت کی اور جہاں جہاں آپ نے قیام کیا وہاں کے لوگوں کو اپنے اخلاق و اعمال و کردار اور وسعت علم سے متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا۔ ۸۲ھ میں حجاج بن یوسف نے آں رحمہ اللہ کو قتل کروا دیا تھا، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابوسلیمان کے تفصیلی ترجمہ کے لیے میزان الاعتدال للذھبی، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی اور تاریخ ابن خلکان وغیرہ ملاحظہ فرمائیں[63]۔

۲۔ اسی قافلۂ محدثین کے ایک اور بزرگ جنہوں نے سرزمین ہند کو اپنے ورود سے سرفراز فرمایا ابومحمد رجاء بن السندی تھے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں انہیں ابومحمد رجاء "السندی"[64] لکھا ہے مگر "تہذیب التہذیب" میں انہی بزرگ کا نام "ابومحمد رجاء بن السندی" لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، واللہ اعلم۔ سندھ میں آکر مستقل سکونت اختیار کر لینے کے باعث ہی آپ "السندی" کہلائے۔ امام جوزجانی، ابوحاتم، امام احمد اور امام ابراہیم بن موسیٰ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے آپ کو طبقہ دہم کے صدوق محدثین میں شمار کیا ہے۔ سرزمین سندھ میں آپ نے حدیث کی جو خدمت انجام دی اس کی تفاصیل کتب میں موجود ہیں۔

---

[63] میزان الاعتدال للذھبی ۱/۲۹۵، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۱/۱۳۴۔

[64] تقریب التہذیب ۔ ابن حجر عسقلانی ۱/۲۴۸، تاریخ بغداد للخطیب ۱۳/۱۹۱، تانیب الخطیب للکوثری ص ۹۲، التنکیل بما فی تانیب الخطیب من الاباطیل للمعلمی الیمانی ۱/۲۵۳۔

۴۔ اس سعید جماعت کے ایک بزرگ عبد الرحمٰن بن ابو زید بیلمانی کے فرزند محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی بھی تھے جنہوں نے اپنے والد کے بعد سندھ کی مسند درس سنبھالی تھی۔ آپ نے اپنے والد عبد الرحمٰن بن ابو زید سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں صالح بن عبد الجبار الحضرمی اور محمد بن حارث الحارثی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی اپنے وقت کے ایک نامور محدث تھے۔ سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داود میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے آپ کو محدثین کے طبقہ ہفتم میں شمار کیا ہے۔ بعض ائمہ جرح و تعدیل نے آپ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ مزید حالات زندگی کے لیئے میزان الاعتدال للذہبی، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم المجروحین لابن حبان، الکامل فی الضعفاء لابن عدی، تقریب التہذیب لابن حجر، الکشف الحثیث للحلبی، الضعفاء والمترو کین للنسائی، الضعفاء والمترو کین للدارقطنی، الضعفاء الکبیر للعقیلی، الضعفاء الصغیر للبخاری، التاریخ الکبیر للبخاری اور التاریخ الصغیر للبخاری وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں[65]۔

۵۔ ہندوستان تشریف لانے والے ایک اور بزرگ محدث ربیع بن صبیح السعدی البصریؒ تھے۔ آپ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں بغرض

---

[65] میزان الاعتدال للذہبی ۳/ ۶۱۷، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/ ۳۱۱، المجروحین لابن حبان ۲/ ۲۶۴، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۶/ ۲۱۸۷، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/ ۱۸۲، الکشف الحثیث للحلبی ص ۳۸۶، الضعفاء والمترو کون للنسائی ترجمہ ۵۲۶، الضعفاء والمترو کون للدارقطنی ترجمہ ۴۵۴، التاریخ الکبیر للبخاری ۱/ ۱۶۳، التاریخ الصغیر للبخاری ۲/ ۱۰۹، الضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ ۳۲۹، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/ ۱۰۱۔

اشاعت اسلام ہندوستان آئے اور مستقلاً یہیں بس گئے ۔ رامہرمزی کا قول ہے کہ : " آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کے موضوع پر پہلی مبوب کتاب تصنیف فرمائی تھی "۔ آپ کو امام حسن بصری ، مجاہد اور یزید الرقاشی وغیرہ سے سماعت حدیث کا شرف حاصل تھا ۔ آپ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ابن مہدی ، عاصم بن علی ، آدم اور علی بن الجعد جیسے کبار محدثین شامل ہیں ۔ امام بخاری نے معلقاً اور امام ترمذی و ابن ماجہ نے آپ سے مروی احادیث کو قبول کیا ہے ۔ شعبہ کا قول ہے کہ : " آپ سادات المسلمین میں سے تھے "۔ امام ابن حجر عسقلانی نے انہیں محدثین کے طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے ۔

اگرچہ ہندوستان میں آپ کی آمد کا مقصد درس و تدریس تھا لیکن آپ نے یہاں غزوۂ ہند (فتح اربد) میں باقاعدہ شرکت کی تھی ۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں : " كان رجلا غزاء "۔ آپ نے ۱۶۰ھ میں انتقال فرمایا اور سندھ ہی میں مدفون ہوئے ۔ مزید تفصیلات کے لئے تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی ، میزان الاعتدال للذھبی ، تاریخ الخلفاء ، ابجد العلوم للنواب صدیق حسن خاں اور تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں[۶۶]۔

۶ ۔ ہندوستان تشریف لانے والے ایک بزرگ ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن السندی الہاشمی بھی ہیں ۔ آپ کو قرظی ، سعید بن ابی سعید ، ہشام ، حویرث ، مقبری ، ابن المنکدر ، اعمش اور محمد بن قیس وغیرہ سے شرف سماعت حدیث حاصل ہے ۔ آپ سے حدیث روایت کرنے والے محدثین میں بشر بن ولید ،

---

۶۶ تقریب التہذیب لابن حجر ۱/ ۲۴۵ ، میزان الاعتدال للذھبی ۲/ ۴۱ ، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۴/ ۸۲ ۔

محمد بن بکار ، ابو ربیع الزہرانی اور آپ کے فرزند محمد بن ابو معشر وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔ امام ابن حجر عسقلانی نے آپ کو محدثین کے طبقہ ششم میں شمار کیا ہے ۔ آپ سے مروی احادیث کو بجز شیخین کے متعدد ائمہ حدیث مثلاً سعید بن منصور اور عبد الرزاق وغیرہ نے قبول کیا ہے ۔ سندھ میں ایک عرصہ تک آپ نے علم حدیث کا درس دیا تھا ۔ سنہ ۱۷۰ھ میں آپ نے وفات پائی تھی ۔ مزید تفصیلی ترجمہ کے لیے تاریخ یحییٰ بن معین ، التاریخ الکبیر للبخاری ، التاریخ الصغیر للبخاری ، الضعفاء الصغیر للبخاری ، الکنیٰ لمسلم ، المعرفۃ والتاریخ للبسوی ، الضعفاء والمتروکین للنسائی ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ، الکنیٰ للدولابی ، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ، الضعفاء الکبیر للعقیلی ، المجروحین لابن حبان ، الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ، تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ، میزان الاعتدال للذہبی ، تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ، تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی ، سؤالات محمد بن عثمان ، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ، فتح الباری (شرح صحیح البخاری) للامام ابن حجر عسقلانی اور تحفۃ الاحوذی (شرح جامع الترمذی) للشیخ عبد الرحمن المبارکفوری وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں ۔[۶۶]

---

۶۶ تاریخ یحییٰ بن معین ۳/ ۱۶۰، ۲۰۴، ۲۵۵ ؛ التاریخ الکبیر للبخاری ۴/ ۱۱۴ ؛ التاریخ الصغیر للبخاری ۲/ ۱۷۲، ۲۰۵ ؛ الضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ نمبر ۳۸ ؛ الکنیٰ لمسلم نمبر ۹۶ ؛ المعرفۃ والتاریخ للبسوی ۳/ ۱۷۱، ۲۰۶ ؛ الضعفاء والمتروکین للنسائی ترجمہ نمبر ۵۹ ؛ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/ ۴۹۳ ؛ الکنیٰ للدولابی ۲/ ۲۰۲ ؛ الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۷/ ۲۵۱۶ ؛ الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/ ۳۰۸ ؛ المجروحین لابن حبان ۳/ ۶۰ ؛ الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ترجمہ نمبر ۵۵ ؛ تاریخ بغداد للخطیب ۱۳/ ۴۳۰ ؛ میزان الاعتدال للذہبی ۴/ ۲۴۶ ؛ تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۰/ ۴۲۰ ؛ تقریب التہذیب لابن حجر ۲/ ۲۹۸ ؛ =

ان کے علاوہ ہمیں بعض ایسے بزرگ بھی نظر آتے ہیں جو اپنے قلوب میں ہندوستان آنے کی شدید تڑپ اور خواہش رکھتے تھے ۔ مگر بعض عوارض کے باعث یہاں تشریف نہ لا سکے ۔ مثال کے طور پر حضرت انس بن مالکؓ کے ایک شاگرد حباب بن فضالہ الذھلی الیمامیؒ تابعی کا نام نامی پیش ہے ۔ آپ کو حضرت انس بن مالک سے ، اور آپ سے احمد بن محمد الارزقی المکی وغیرہ کو سماعت حدیث کا شرف حاصل رہا ہے ۔ آپ کے ہندوستان تشریف لانے کی شدید خواہش کا تذکرہ امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں انہی کی زبانی یوں قلم بند کیا ہے :

"میں بصرہ آیا اور حضرت انس سے ملاقات کی ۔ عرض کیا کہ : میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں ، آپ سے اجازت کا طالب ہوں ۔ آں رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا : کس جگہ جانا چاہتے ہو ؟ عرض کیا : ہندوستان ۔ پوچھا کہ : کیا تمہارے والدین یا ان میں سے کوئی بحیات ہے ؟ میں نے عرض کیا : دونوں بحیات ہیں ۔ آپ نے پھر سوال کیا : کیا وہ تمہارے گھر سے چلے جانے پر رضامند ہیں ؟ میں نے عرض کیا : نہیں ، بلکہ خفا ہیں ۔ میرے والد نے مجھ پر زیادتی کی ، وہ امیر کے پاس گئے اور امیر نے مجھے سفر سے روک دیا ہے ۔ حضرت انس نے پھر پوچھا : تجھے دنیا مطلوب ہے یا آخرت کی بھلائی ؟ میں نے

= فتح الباری لابن حجر ۲/۱۷۳ ، ۳/۵۷۳ ، ۴/۱۱۳ ، ۵/۱۹۷ ، ۸۷۲ ، ۸/۱۶ ، ۹/۳۰۵ ، ۱۳/۵۵ ؛ سؤالات محمد بن عثمان ص۱۰ ؛ تذکرۃ الحفاظ للذھبی ۱/۲۳۳ ؛ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱/۲۷۹ ، ۳/۱۹۳ ۔

عرض کیا: دونوں۔ تو انہوں نے فرمایا: پس تو گھر لوٹ جا اور اپنے والدین کے ساتھ رہ کر ان کے ساتھ بھلائی کر، اس سے بڑھ کر کوئی اور بہتر کام تجھے نہ مل سکے گا۔"[68]

یہ تھا دوسری صدی ہجری تک ہندوستان تشریف لانے والے محدثین عظام میں سے تقریباً چالیس[40] نفوس قدسیہ کا مختصر سا تعارف۔ اس دوران ان کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوئے جن کے حالات تاریخ، سیر اور رجال کی کتب میں مرقوم اور مزید تحقیق و تتبع کے متقاضی ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے بعد بھی بزرگان دین کے ورود مسعود کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا جن کے علوم سے باشندگان ہند مستقل فیضیاب ہوتے رہے۔ پھر جن بزرگوں نے ان دو صدیوں کے دوران ہندوستان کے باشندوں کو علم حدیث سے روشناس کرایا تھا خود ان کے مقامی تلامذہ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تیار ہو چکا تھا جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا اور وہاں کے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنے نیز علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں مصروف عمل ہو گیا۔ اس دوران جگہ جگہ درس حدیث کے لیے بڑے بڑے دینی مراکز اور طالبان حدیث کے بے شمار حلقے قائم ہوئے۔ جابجا مساجد بھی تعمیر ہوئیں جن کے آثار خستہ حالت میں آج بھی ہند و پاک کے متعدد گوشوں میں اپنے شاندار ماضی کی یاد تازہ کرنے کے لیے موجود ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ہندوستان میں اسلام پہلی صدی ہجری کے اوائل ہی میں داخل ہو گیا تھا اور مسلسل وسعت پذیر تھا۔ اس کی اشاعت و مقبولیت کی وجہ

---

[68] میزان الاعتدال للذہبی ۱/ ۴۴۸۔

جہاں اسلامی فتوحات ہیں وہیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور محدثین عظام نے اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے مال اور اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔ اس اہم مقصد کے حصول کے لیے اپنے اعزہ واقربا، یا وطن عزیز کو خیرباد کہنا ان کے نزدیک کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

ہندوستان کے شمال مغربی خطہ میں اسلام کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ جنوب مغربی سواحل پر بھی اسلام کے انوار وبرکات کا ترشح اولین دور صحابہ سے مسلسل ہوتا رہا ہے۔ عرب تاجروں کے علاوہ صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کی ایک قابل لحاظ تعداد کوچین، کالی کٹ، گوا (GOA)، کوکن اور دیگر مالاباری علاقوں میں آئی اور علم حدیث کے فروغ کے لیے یہیں بس گئی۔ ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ سے گرد ونواح کی بے شمار مخلوق مشرف بہ اسلام ہوئی۔ آج بھی ان علاقوں میں ان بزرگوں کی قبریں، ان کی تعمیر کردہ مساجد و مدارس کے خستہ آثار نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ "مدراس کے نزدیک محمود بندر کے مقام پر دو صحابہ کرام کے مزارات موجود ہیں"۔ [69]

ہندوستان کے ایک مشہور ہندو مؤرخ ڈاکٹر تارا چند اپنے مضمون "برصغیر میں اشاعت اسلام" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

> "کولم میں میناکیوں کے نام کے قبرستان میں علی بن عثمان کی قبر پر ۱۶۶ھ (۷۸۳ء) کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی (عیسوی) میں مالابار کے ساحل پر مسلمان آباد ہو گئے تھے"۔ [70]

---

[69] سہ ماہی فکر و نظر ماہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۰ء [70] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ج ۱۵ عدد ۱۰ ص ۴۹ ماہ جولائی ۱۹۸۵ء

چونکہ ہندوستان کے ان علاقوں میں عرب مسلمانوں کی آمد بغرض جہاد بھی اس لیئے یہاں آنے والے بزرگوں کی تبلیغ و اشاعت اسلام کی رفتار نسبتاً سست رہی ہے بحیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام کی توسیع و ترویج کا کام تقریباً ابتدائی تین صدیوں تک بحسن و خوبی چلتا رہا جسے بلاشبہ ہندوستانی اسلامی تاریخ کا سنہرا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس امر کی شہادت بھی ہندو مؤرخ ڈاکٹر تاراچند کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

"نویں صدی (عیسوی) کے بعد سے اسلام کا اثر دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ مسعودی نے ۹۱۶ء (یعنی تقریباً ۲۹۲ھ) میں ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ چول میں دس ہزار سے زائد مسلمان آباد تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جسے پرامہ کہتے تھے۔ ابودلادت مستنصر بن الہلہلی بھی چول کی مسجدوں کا ذکر کرتا ہے۔"[۱]

چوتھی صدی ہجری کے دوران اسلامی فتوحات کے اشاعت اسلام پر اثرات:-

ہندوستانی اسلامی تاریخ کے اس سنہرے دور کے بعد پھر اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آتا ہے۔ شمال مغربی سرحد پر واقع پہاڑی دروں کے راستہ سے سلطان سبکتگین اور سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کی غیر مسلم

= بشکریہ "دعوت" دہلی۔ [۱] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ج ۱۵ عدد ۱۰ ص ۴۹ ماہ جولائی ۱۹۸۵ء۔

بشکریہ "دعوت" دہلی۔

ریاستوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ان پر متعدد بار حملے کیے۔ محمود غزنوی کا سترہواں حملہ ۳۹۲ھ میں سومناتھ کے مندر پر ہوا جو اس کا سب سے بڑا اور کامیاب ترین حملہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ وہی تاریخی مندر ہے جسے محمود غزنوی کے سترہویں حملہ کے بعد ہندوستان کے سیاسی قائدین نے آزادی ہند (۱۹۴۷ء) کے فوراً بعد ہندو رعایا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے از سر نو تعمیر کر دایا ہے۔

مشہور اسلامی مؤرخ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر محمود غزنوی کے اس حملہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وقد غزا الملك الكبير الجليل محمود صاحب غزنة في حدود أربعمائة بلاد الهند فدخل فيها وقتل وشرد، دخل سومنات وكسر الند الأعظم الذي يعبدونه، ثم رجع سالما مؤيدا منصورا" [۴۲]

محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے متعلق مؤرخ توقیر پاشا بیان کرتے ہیں:

"..... اب سلطان محمود کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچا۔ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور ان حملوں کو اس نے جہاد کا نام دیا۔ اس سے مسلمان اس کے ہمدرد و مددگار بن گئے"۔ [۴۳]

اور

"..... محمود نے جب یہ دیکھا کہ اس کے سپاہیوں کا جوش

---

[۴۲] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۶/۲۲۲۔ [۴۳] تاریخ ہند مصنفہ توقیر پاشا ص ۱۴۳۔

ختم ہو رہا ہے تو انھیں جوش دلا کر اسلام پر فدا ہونے کو کہا چنانچہ
محمود کے سپاہی بڑی بہادری سے لڑے اور ہندؤں کو شکست دی"[۴۴]

بعض متعصب اور اسلام دشمن مؤرخین کا دعوی ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر صرف اپنی دولت میں اضافہ کرنے کی غرض سے یکے بعد دیگرے سترہ حملے کیے تھے اسے مسلمانوں یا اشاعت اسلام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ افسوس کہ انہی لوگوں کی اتباع میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے سابق استاذ پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "RELIGION AND POLITICS" (مذہب وسیاست) کے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"محمود نے اپنے معرکوں میں ہندؤں سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ اس نے درحقیقت مذہب جو اس دور کی ایک بڑی سماجی طاقت تھا، کا سہارا صرف اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے لیا تھا۔"

اسی طرح جناب یوسف حسین صاحب "INDO MUSLIM POLITY" (ہندوستانی مسلم سیاست) میں لکھتے ہیں:

"اس کے لیے وہ تمام لوگ میدان جنگ میں تھے جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے خواہ وہ ہندو ہوں یا کہ مسلمان۔"

حالانکہ اس قسم کی تمام باتیں قطعی بے بنیاد، صریح تعصب پر مبنی، لغو اور محتاج دلیل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی نہایت اعلیٰ کردار اور

---

[۴۴] تاریخ ہند، مصنفہ توتیر پاشا صفحہ ۱۴۲۔

اسلامی اقدار کا حامل تھا۔ ہندوستان پر اس کے حملوں کا اصل محرک اس کا جذبہ جہاد اور اس خطے سے کفر و شرک کی ضلالت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا مصمم ارادہ تھا۔ مؤرخ توقیر پاشا سلطان محمود غزنوی کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

"..... محمود اعلیٰ درجہ کا منصف مزاج بھی تھا اور ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنے کی کوشش کرتا تھا مظلوموں اور عاجزوں کی مدد کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتا تھا اور اپنے افسروں اور حاکموں کو خطاؤں سے درگزر کرتا تھا۔ وہ پکا سنی مسلمان تھا۔ پانچ وقت کی نماز اور رمضان میں روزے رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ رمضان کے مہینے میں زکوٰۃ بھی ادا کرتا تھا یعنی اپنی دولت کا ½ ۲ فیصدی حصہ غریبوں میں خیرات کر دیتا تھا مگر وہ تعصب سے کوسوں دور تھا...... محمود حالانکہ ناخواندہ اور بے پڑھا لکھا انسان تھا مگر عالموں اور پڑھے لکھے لوگوں کی بے حد عزت کرتا تھا۔ اس کا دربار اپنے وقت کے عالم اور قابل لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ البیرونی محمود کے دربار کا زبردست عالم تھا۔ یہ مؤرخ، فلاسفر، نجومی، طبیب غرض کہ سب کچھ تھا۔ وہ محمود کے ساتھ ہندوستان آیا اور یہاں کے حالات قلمبند کیے[۵۵]"

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مجاہد اسلام سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان

---

۵۵ تاریخ ہند، مصنفہ توقیر پاشا ص۱۴۹۔

پر ان پے درپے حملوں سے ہندوستان کے ماحول پر زبردست اثر پڑا تھا۔ ایک طرف تو ان غیر مسلم ہندوستانیوں کے لیے بھی اسلام کوئی اجنبی دین نہ رہا جن تک صحابہ کرام، تابعین، اتباع تابعین اور ان کے تلامذہ کی رسائی نہ ہوئی تھی اور دوسری طرف ہندوستان کے شمالی خطوں میں آباد تمام مسلمان اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ آزاد اور محفوظ سمجھنے لگے تھے کیوں کہ بقول ایک انگریز مؤرخ اسٹین کونو (STEN KONOW):

"شمالی ہند میں جو مسلمان آباد تھے ان پر ہندو راجاؤں نے ٹیکس لگا رکھے تھے"۔ [۶]

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے ان ثمرات کے ساتھ یہ بات بھی اپنی جگہ قطعی درست ہے کہ اس دور کے بعد ہی ہندوستان میں اسلام رفتہ رفتہ اپنی ہیئت و مرکزیت کھونے لگا۔ پہلا مسلم دانشور جس نے اہل اسلام کو ہندوانہ تصوف (ویدانت وغیرہ) سے روشناس کرایا سلطان محمود غزنوی کا ہی ایک درباری عالم ابوریحان البیرونی تھا۔ اس نے ضلع جہلم (پنجاب) کے پنڈتوں سے سنسکرت زبان سیکھی پھر ہندوؤں کی بہت سی اہم کتابوں کا عربی و فارسی میں ترجمہ کیا۔ انہی تراجم سے ہندوستانی مسلمان پہلی بار اُپنشدوں اور یوگ وغیرہ کی تعلیمات سے آشنا ہوئے۔ اس کے علاوہ سلطان محمود کے فوجیوں کے ذریعہ ہی ہندوستان میں یونانی فلسفہ بھی پہنچا جو عباسی خلیفہ مامون رشید کے عہد میں یونانی کتب فلسفہ عربی میں مترجم ہونے کے باعث کافی مقبول ہو چکا تھا ان چیزوں کی درآمد سے قبل تک ہندوستان میں مسلمان صرف کتاب اللہ اور

---

[۶] "EPIGRAPHIA INDICA" BY STEN KONOW

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے ہی واقف تھے مگر ہندوانہ تصوف اور فلسفہ نے رفتہ رفتہ علوم شریعت کی جگہ لینی شروع کر دی اور بالآخر ہندوستانی مسلمان ان تمام خرافات میں بری طرح مبتلا ہو کر رہ گئے۔

محمود غزنوی کے بعد چھٹی صدی ہجری میں سلطان محمد غوری کے حملوں نے بھی ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی و معاشرتی طور پر کافی تحفظ اور وقار بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دوران مسلمان ہندوستان کے طول و عرض کے ہر ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت ہندوستان کے مختلف مقامات پر پائی جانے والی اس دور کی قبریں اور مساجد ہیں۔ مثال کے طور پر بہرائچ میں سید سالار کی قبر، بدایوں میں میران ملحم کی قبر، بلگرام میں خواجہ مجدالدین کی قبر، اناؤ (آسیوان) میں گنج شہیداں، مانیر (MANER) میں امام تقی فقیہ کی قبر اور علی گڑھ میں محمود غزنوی کی تعمیر کردہ کالی مسجد وغیرہ۔ آثار قدیمہ کے ماہرین بیان کرتے ہیں کہ:

> "یہ تمام قبریں جو یوپی، بہار، بنگال، سندھ اور پنجاب وغیرہ کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں محمد غوری کے ہندوستان پر حملے سے قبل کی ہیں۔"

ایک ہندو مؤرخ آر ایس ترپاٹھی "The HISTORY OF QANNOUJ" (تاریخ قنوج) میں لکھتا ہے:

> "جدید مؤرخین نے ثابت کر دکھایا ہے کہ مسلمانوں کی بستیاں قنوج میں ترک کی فتوحات سے قبل بھی موجود تھیں۔"

مسلم سلاطین ہند کے عہد میں اسلام کی کسمپرسی کا عالم :۔

ہندوستان پر محمد بن قاسم، سبکتگین، محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) اور محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حملوں کے بعد (یعنی ۱۲۰۶ء تا ۱۵۲۶ء) دہلی کے تخت پر پہلے کچھ ترکی النسل غلام حکمراں رہے، بعد ازاں کچھ افغان خاندان (خلجی اور لودھی وغیرہ)، پھر ۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء مغل بادشاہوں کا دور حکومت رہا لیکن افسوس کہ ان حکمرانوں میں سے (الا ماشاء اللہ) اکثر نے توسیع و اشاعت اسلام کا مقدس فریضہ کماحقہ انجام نہیں دیا، انھیں تو فقط کشور کشائی، اپنے اقتدار اور عیش طلبی سے غرض تھی ورنہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی تقریباً آٹھ صدیوں کی جو طویل مہلت عطا کی تھی وہ پورے ہندوستان کو مسلمان بنا لینے کے لیے کسی طرح بھی ناکافی نہ تھی۔ تاریخ کے اسباق بتاتے ہیں کہ جب یہودیوں کو بنو لد بخت نصر نے اپنا غلام بنا رکھا تو صرف اسّی سال کے مختصر عرصہ میں وہ اپنی اور اپنے مذہب کی ہر شناخت فراموش کر چکے تھے تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں ہندومت آٹھ سو سال بعد بھی نہ صرف زندہ بلکہ کافی تندرست و توانا باقی رہا۔

ہندوستان میں جہاں اسلام کے فروغ کو ویدانتی تصوف و فلسفہ وغیرہ کی یلغار اور ارباب اقتدار کی بے حسی سے نقصان پہنچا وہیں ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ غلام اور افغان خاندانوں کے اکثر درباری اور سپاہی علاقۂ ماوراء النہر سے تعلق رکھتے تھے جہاں پہلے ہی سے ایک طرف دینی مدارس میں حنفی فقہ، اشعری و ماتریدی عقائد، یونانی فلسفہ و منطق اور ان سب کے معجون مرکب علم کلام کا دور دورہ تھا تو دوسری طرف خانقاہوں میں وحدت الوجود، وحدت الشہود اور

حلول وغیرہ کا سکہ رائج تھا۔ لہٰذا غلام و افغان خاندانوں کے ادوارِ حکمرانی میں ہندوستان میں اشاعت اسلام کی بنیاد قرآن و حدیث کی تدریس و تعلیم کو بدل کر شدید حنفیت اور وجودی تصوف کے ستونوں پر استوار کی گئی تھی۔

اس دور میں علوم اسلام کی کسمپرسی اور غربت کا عالم بیان کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب لکھتے ہیں :

"ہندوستان میں دینی علوم بالخصوص قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلّم کی جانب توجہ کم رہی، چنانچہ سندھ اور ملتان وغیرہ سے عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب غزنوی اور غوری سلاطین برسراقتدار آئے تو ان کے زمانے میں ایران، خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں سے جو اصحاب علم و درس ہندوستان میں آئے ان کو دینی علوم، تفسیر و حدیث میں زیادہ درخور نہ تھا۔ اس کی وجہ سے یہاں علم حدیث عنقا کی طرح معدوم ہو گیا اور نجوم، فلکیات، ریاضی اور منطق و فلسفہ پر ساری توجہ مرکوز کر دی گئی۔ قرآن مجید اور سنت نبوی کو پڑھنے پڑھانے کی بجائے دینی علوم میں صرف فقہ و تصوف سے سروکار باقی رہ گیا تھا۔ فقہ میں سارا زور فقہ حنفی کے فروع اور جزئیات پر صرف کیا جاتا تھا۔ علم حدیث کی کسمپرسی اور غربت کا یہ حال تھا کہ اس سے صرف اس بنا پر اور اس حد تک سروکار رہ گیا تھا کہ فقہی بحثوں میں کہیں کہیں حدیثوں کا ذکر آجاتا تھا۔ حدیث کی اُمہاتِ کتب کی بجائے صرف صاغانی کی "مشارق الانوار" درس و تدریس میں داخل تھی۔ اگر کسی نے اس کے سوا، توجہ دی تو "مصابیح

السنۃ ، بغوی" اور "مشکوۃ المصابیح" کو بھی دیکھ لیا۔ محدث بننے کے لیے بس اسی قدر کافی تھا۔"[1]

مولانا سید سلیمان ندوی سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں ہندوستان میں علم حدیث کے ساتھ بے اعتنائی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس عہد میں اس ملک میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے اور دوسری طرف تمام علماء تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علماء بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے تھے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لیے ہم اس کو نہیں مانتے۔"[2]

صاحب تاریخ فیروز شاہی مولوی ضیاء الدین برنی نے "حسرت نامہ" میں، قاسم فرشتہ نے "تاریخ فرشتہ" میں اور میر خورد نے "سیر الاولیاء" میں بھی چاشت کے وقت سے زوال شمس تک ہونے والے اس مناظرہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ قاسم فرشتہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ موصوف کے جواب میں

---

[1] تذکرۃ المحدثین ۲/۲۰۵-۲۰۶۔ [2] مقالات سید سلیمان ندوی ۲/۶-۷۔

قاضی وقت نے کہا تھا:

"ترا بہ حدیث چہ کار تو مرد مقلدی روایت از ابوحنیفہ بیار تا بعرض قبول افتاد۔"

یعنی "تجھے حدیث سے کیا کام، تو تو مقلد ہے پس امام ابوحنیفہ کی کوئی روایت لا تا کہ اس معرض بحث میں مقبول ہو۔"

قاضیٔ وقت کی یہ بات سن کر شیخ موصوف نے فرمایا:

"سبحان اللہ من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم و تو ازیں روایت ابوحنیفہ می خواہی۔"

یعنی "سبحان اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث نقل کرتا ہوں اور آپ (اس کے مقابلہ میں) امام ابوحنیفہ کی روایت چاہتے ہیں۔"

مولوی ضیاء الدین برنی بیان کرتے ہیں کہ شیخ موصوف کا یہ جواب سن کر علمائے وقت نے یہ کہا:

"در شہر ما عمل بر روایت فقہ مقدم ست بر حدیث۔"

یعنی "ہمارے شہر میں فقہی روایت حدیث پر مقدم ہے۔"

مولانا سید سلیمان ندوی سلطان محمد تغلق، کہ جسے بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "خلافت سے جذباتی لگاؤ تھا"[۷۹] کے عہد کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

"محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) جس کے براہ راست تعلقات مصر کی عباسی خلافت سے تھے اور اس کی طرف سے اس کو حکومت کا فرمان اور خلعت اور علم بھی ملا تھا اور خلیفہ عباسی

---

[۷۹] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۷۶–۳۸۰۔

سے اس نے بیعت بھی کی تھی۔ اس کا قاعدہ تھا کہ جب لوگوں سے بیعت لیتا تھا تو مصر کے خلیفہ عباسی کے فرمان کے ساتھ قرآن پاک اور "مشارق الانوار" کا نسخہ سامنے رکھ لیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ہندوستان میں قرآن پاک کے بعد احادیث میں صرف "مشارق الانوار" کا وجود تھا۔ جب شاہی کتب خانہ کا یہ حال تھا تو عام لوگوں کی دسترس کا کیا پوچھنا ہے؛ الغرض شیخ عبدالحق محدث سے پہلے صرف "مشارق الانوار" للصاغانی کے نسخے اور کہیں کہیں "مصابیح" کے نسخے دستیاب ہوتے تھے اور یہی دو کتابیں یہاں کے علماء کے درس میں تھیں[50]۔"

یہاں یہ بتانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان محمد تغلق شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کے پوتے شیخ علاء الدین اجودھنی کا مرید تھا[51]۔ اس کے زمانہ میں تصوف اور صوفیاء کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ صبح الاعشیٰ کی روایت کے مطابق "صرف دہلی شہر میں اس وقت دو ہزار خانقاہیں تھیں[52]"۔ اور یحییٰ سرہندی بیان کرتے ہیں کہ "سلطان محمد تغلق نے دہلی سے دیوگیر تک ہر منزل پر سرائے کے علاوہ ایک خانقاہ بھی تعمیر کروائی تھی[53]۔"

مولوی ضیاء الدین برنی سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں علماء کی علم حدیث کے ساتھ بے اعتنائی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب

---

[50] مقالات سید سلیمان ندوی ۲/ ۴۷-۵۷۔ [51] سیر الاولیاء ص ۲۰۶۔

[52] اوراق مصور ص ۴۶۔ [53] تاریخ مبارک شاہی ص ۹۸-۹۹۔

شمس الدین ترک ہندوستان آئے اور یہاں کے علماء کی علمی بے سروسامانی اور بدذوقی ملاحظہ کی تو سلطان سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے :

"میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں ٹوٹ پڑتے۔" [۸۴]

واضح رہے کہ خلجی دور حکومت خصوصاً سلطان علاء الدین خلجی کا عہد تو چشتی سلسلۂ تصوف کا عہد زریں تھا۔ خود سلطان، اس کے اہل خانہ اور امراء تمام خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اس سرکاری پشت پناہی کے باعث اس زمانہ میں چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا تھا جیسا کہ معتبر کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

نظام تعلیم میں معقولات، تصوف اور جامد فقہی نظریات کے اس روز افزوں دخل کے باعث کتاب وسنت کے ساتھ شدید بے اعتنائی برتی گئی حتی کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی کے عہد کا نقشہ مولانا ابو الکلام آزاد نے یوں کھینچا ہے :

> "ان تمام حالات کو سامنے لا کر غور کرو، اس عہد کی عالم آشوبی کا کیا حال تھا؟ کس طرح ہر طرف سکوت عن الحق کا سناٹا اور قبول باطل و اطاعت ظلم وطغیان کی مردنی چھائی ہوئی تھی

---

[۸۴] تاریخ فیروز شاہی بحوالہ فقہائے ہند ۱/۲۲۳۔

اور جابروں کی بیعت اور ظالموں کے جبروت نے کلمۂ حق کی گونج سے تمام فضائے ہند کو خالی کر دیا تھا۔" ۸۵

اسی دور کی نقشہ کشی محی السنۃ مولانا نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال نے ان الفاظ میں فرمائی ہے :

"علم حدیث کا سرے سے کوئی چرچا نہ تھا۔ لوگ نہ خود اس کی جانب مائل تھے اور نہ دوسروں کو اس کے حصول کی ترغیب دیتے تھے۔ وہ اس فن کی کتابوں سے ناواقف اور محدثین کے کارناموں سے ناآشنا تھے۔ بہت تھوڑے لوگ صرف "مشکوٰۃ" پڑھ لیتے تھے اور وہ بھی محض حصول برکت کے لئے اس پر عمل کرنا اور اس کو سمجھنا ان کا مقصد نہ ہوتا تھا۔ فقہ میں صرف فقہ حنفی اور علمائے ماوراء النہر کے فتووں اور اجتہادات پر قانع ہو گئے تھے، اور محض فروع و جزئیات میں الجھے رہتے تھے۔ ان کا رأس المال فقہ تھی اور وہ بھی تقلیدی رنگ و انداز میں، تحقیق سے معدودے چند لوگوں کو ہی دلچسپی تھی" ۸۶

مولانا سید عبدالحی الحسنی (م ۱۳۴۱ھ) نے بھی اپنی کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" ۸۷ میں انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک مقام پر آں موصوف فرماتے ہیں :

"اس عہد میں منطق و فلسفہ سے شغف اور انہماک بہت

---

۸۵ تذکرہ ص۸۷۔ ۸۶ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ص۴۔ ۸۷ ص۱۳۵–۱۳۸۔

زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ہندوستان کے تمام علمی مراکز میں منطق وفلسفہ کی کتابیں درس میں بکثرت داخل ہونے لگیں[88]۔"

بارہویں صدی ہجری کے وسط سے تو کتب معقولات کے ساتھ اشتغال اس قدر بڑھا کہ دینی مدارس میں بھی علوم شریعت کی تعلیم بس برائے نام ہی رہ گئی تھی۔ نصاب تعلیم کی اسی بے اعتدالی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی شبلی نعمانی فرماتے ہیں :

"افسوس اور سخت افسوس ہے کہ منطق اور فلسفہ جس سے اسلام کو بہت کم تعلق ہے اس کے لئے تو صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، میبذی، ملا حسن، ملا جلال، میر زاہد، غلام یحییٰ حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، شرح تجرید ــــ یہ تمام دفتر لازمی اور ضروری قرار دیا جائے اور قرآن مجید کے لئے جو مدار اسلام ہے جلالین اور بیضاوی کے اڑھائی پارے کافی سمجھے جائیں"[89]

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی ان تمام درسی کتب کی فہرست بیان کی ہے جو اس زمانہ میں عموماً درس نظامی کے نصاب میں مقرر تھیں۔ اس فہرست کے مطابق عموماً چالیس سے کچھ زائد کتب صرف معقولات کی پڑھائی جاتی تھیں۔ جب کہ دینیات کے نام پر متداول کتب صرف یہ تھیں: حدیث میں مشکوٰۃ یا مشارق الانوار، تفسیر میں جلالین و بیضاوی (صرف سورہ بقرہ تک) اور

---

[88] الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۲۹۔ [89] خطبات شبلی ص ۲۶۔

فقہ میں ہدایہ و شرح وقایہ ۔[90]

یہ تھے ہندوستان میں اشاعت اسلام کی تحریک کو نقصان پہنچانے والے چند ابتدائی عوامل، پھر اوائل عہد مغلیہ میں ایران سے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر شیعیت کی درآمد کے ساتھ ہندوستان میں گویا مشرکانہ عقائد و خیالات، بدعات و رسومات کا ایک ناپید کنار سیلاب امڈ آیا اور مسلمان رفتہ رفتہ اپنی باقی ماندہ اسلامی روایات و اقدار بھی کھونے لگے۔

مغل بادشاہ اکبر کے دور حکومت میں تو ہندوستان میں اسلام پر انتہائی غربت اور شدید بے کسی اور کسمپرسی کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اس کے جاری کردہ "دین الٰہی" (دین گمراہی) نے دین محمدی کی کامل بیخ کنی کرنے اور اسے سرزمین ہند سے ملک بدر کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ ابوریحان البیرونی کے بعد جلال الدین محمد اکبر ہی وہ شہنشاہ گذرا ہے جس نے ہندوؤں کی مقدس کتب مہابھارت، رامائن اور اسی نوع کی دوسری سنسکرت کتابوں کا اپنی سرکاری زبان یعنی فارسی میں ترجمہ کروایا۔

اکبر کے دور غیر مسعود میں ایک طرف تو سرکاری سطح پر کفر و الحاد کا بازار انتہائی گرم تھا اور دوسری طرف علمائے وقت پر اس قدر شدید فقہی جمود طاری تھا کہ کتاب و سنت کی طرف کوئی کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ ہمارے اس دعویٰ کا مؤید ہے:

"متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد تعمیر کروانے کی غرض سے کچھ ساماں جمع کیا جسے راتوں رات ایک برہمن نے اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا۔

---

[90] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ۱/ ۱۸۷-۱۸۸۔

جب مسلمانوں نے اس برہمن سے بازپرس کی تو وہ شانِ نبوی میں گستاخی کا مرتکب ہوا۔ جب یہ معاملہ صدر الصدور قاضی عبد النبی (کہ جنہوں نے سرزمین حجاز میں علم حدیث حاصل کیا تھا اور جو بقول علامہ لکھنوی "کان یسلک علی مسلک المحدثین"[91] یعنی محدثین کے مسلک سے وابستہ ہوگئے تھے) کی عدالت میں پیش ہوا تو انھوں نے اس برہمن کے قتل کا فیصلہ سنایا۔ قاضی صاحب کے اس فیصلہ پر بہت لے دے ہوئی اور ان کے متعلق یہاں تک کہا گیا کہ: "والعجب من مولانا مع کونه من نسل أبی حنیفة کیف ترك مشرب جده" یعنی مولانا پر تعجب ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسل سے ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے دادا کے مشرب کو کس طرح ترک کیا؟ اور "لا عبرة بقول عیاض فإنه مالکی وعبد النبی حنفی کیف عمل بخلاف مذهبه". یعنی اس بارے میں قاضی عیاض کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ وہ مالکی ہیں اور عبد النبی حنفی، پس انہوں نے اپنے مسلک کے خلاف کیسے عمل کیا۔"[92]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "دربار (اکبری) میں یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتم رسول کی سزا موت نہیں ہے اس لیئے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے"۔[93] اکبر کے بعد ایک دوسرے مغل بادشاہ دارا شکوہ نے ہندوانہ تصوف سے مسلمانانِ ہند کو مزید قریب کرنے کے لیئے بنارس

---

[91] طرب الاماثل للکنوی ص۲۴۷ وکذا فی مقالات سید سلیمان ندوی ۲/ ۲۱۔

[92] طرب الاماثل ص۲۴۸-۲۴۹۔ [93] تاریخ دعوت وعزیمت ۴/ ۱۰۲۔

کے ہندو پنڈتوں کی مدد سے "اُپنشدوں" کا فارسی ترجمہ کروایا اور اس کا نام "سِرِّ اکبر" رکھا۔ وہ خود اس کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ "قرآن کریم میں جس "کتاب مکنون" کا ذکر آیا ہے وہ "اپنشد" ہی ہیں"۔ اس نے "یوگ بششٹ" کا فارسی ترجمہ بھی "منہاج السالکین" کے نام سے کروایا۔ ان کتابوں میں وحدت الوجود کا فلسفہ پوری شدومد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے اکبر اور دارا شکوہ کے اس الحاد کو اشعار کی صورت میں یوں بیان کیا ہے ؎

تخم الحاد کہ اکبر پرورید | باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود | ملت ما از فساد ایمن نبود

(رموز بیخودی)

تصوف اشاعت اسلام کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ :-

ایک طرف ہندوستان میں کفر و الحاد کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف شیعیت، باطنیت اور تصوف کے خانوادوں نے بھی اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ یہ تمام صوفیا، وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول کے علمبردار تھے۔ ان کی مجلسوں میں "قال اللہ" و "قال الرسول" کے درس کے بجائے فقر و زہد، توکل و مجاہدہ، کشف و کرامات، جذب و مستی، کیف و سرور، وجد و رقص، ذکر و مراقبہ، تزکیۂ نفس و مشاہدۂ حق، وصل و ہجر، سکر و صحو، سماع و قوالی، ولایت و قطبیت، اوراد و تصورِ شیخ، فنافی اللہ اور فنافی الشیخ وغیرہ کی گونج سنائی دیتی رہی۔ ان صوفیاء نے کہیں توکل کی غلط تعلیم دی تو کہیں تدبیر و تقدیر کے مسائل میں الجھا کر مسلمانوں کو تقدیر پر شاکر رہنا سکھایا، کبھی مجاہدہ

وریاضت کے نام پر ترک دنیا کی تلقین کی تو کبھی رہبانیت کی راہ بتا کر "لا رھبانیۃ فی الإسلام"[94]، "إن الرھبانیۃ لم تکتب علینا"[95] اور "إنی لم أومر بالرھبانیۃ"[96] کی کھلے بندوں خلاف ورزی کی گئی۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ایمان وعقائد پر بھی زبردست ضرب لگائی یہاں تک کہ اسلام جس کی بنیاد توحید پر تھی اس کو اس قدر کھوکھلا کر دیا کہ دین کی پوری عمارت ہلکے سے دھکے میں سرنگوں ہو جانے کے قابل ہو کر رہ گئی۔ کہیں مرشد کو پیر کی زندگی میں اور مرنے پر اس کی قبر کو سجدہ کرنے کی تعلیم دی گئی تو کہیں مرشد سے پیر کے نام کا کلمہ پڑھوایا گیا، کہیں نذر ونیاز لغیر اللہ کو جائز ہی نہیں بلکہ باعث اجر وثواب بتا کر بہ یک کرشمہ دو کار یعنی مسلمانوں کے دین ومال کی بربادی اور داعیان تصوف کی شکم پرستی کا سامان کیا گیا اور کہیں "وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ"[97] کو حلال وطیب بتایا گیا تو کہیں استغاثہ عن المخلوق کو عین اسلامی حکم قرار دیا گیا۔ الغرض تصوف نے ہر ہر طرح خدا پرست مسلمانوں کو مخلوق پرست انسان بنا کر دائرۂ شرک میں داخل کر دیا۔

یہ تصوف کیا ہے؟ اور اسلام سے اس کا کیا ربط وتعلق ہے؟ ۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس بارے میں راقم گاہے بگاہے اپنے سابقہ مضامین میں ضمناً لکھتا رہا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں مختصراً اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے:

"میرے نزدیک تصوف وجودی مذہب اسلام کا

---

۹۴ مسند احمد ۶/۲۲۶۔ ۹۵ ایضاً۔ ۹۶ سنن الدارمی، کتاب النکاح باب ۲۰۔ ۹۷ سورۃ البقرۃ ۱۷۳۔

کوئی جزو نہیں بلکہ مذہب اسلام کے خلاف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے"۔ ۹۸

اور

"اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے"۔ ۹۹

صوفیاء پر شیطان نے کس کس طرح غلبہ پایا ہے اس کا مفصل ذکر علامہ ابو الفرج ابن الجوزی حنبلی بغدادی (م ۵۹۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب "تلبیس ابلیس" میں کیا ہے[۱۰۰] جس کا اردو ترجمہ راقم کے پرنانا مولانا عبدالحق اعلوی (اعظم گڈھی) نے "تجنیس تدلیس" کے نام سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ پہلے مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوا پھر میر محمد کتب خانہ کراچی سے متعدد بار طبع ہو کر اہل علم طبقہ میں مقبول ہو چکا ہے۔

تصوف کی حشر سامانیوں کے متعلق ایک غیر مسلم مؤرخ کی شہادت

ایک انگریز مصنف لوتھراپ اسٹاڈرڈ (LOTHRAP-STADERD) ہندوستان میں تصوف کی حشر سامانیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"دیگر تمدنی امور کی طرح مذہب کی حالت بھی بے حد پستی میں تھی۔ تصوف کے توہمات نے اسلامی تعلیم توحید کو بری طرح

---

۹۸ خطوط اقبال ص ۱۲۷۔ ۹۹ اقبال نامہ ۱/ ص ۴۸، رسالہ معارف ج ۴ ص ۴۳ مجریہ ماہ اپریل ۱۹۵۴ء ۱۰۰ تلبیس ابلیس مع تجنیس تدلیس ص ۲۴۸ - ۴۸۹۔

مات دے دی تھی۔ مساجد ویران پڑی تھیں۔ جاہل عوام ان سے دور بھاگتے تھے۔ تعویذ گنڈے اور مالا کے چکر میں پڑ کر اور بے ہودہ اور نیم دیوانے فقیروں سے بھلائی پہنچانے کی امید میں اعتقاد رکھتے تھے۔ بڑے بڑے گنبد والی قبروں پر زیارت کے لیے جاتے تھے اور ان کی پرستش اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کرنے والے تصور کر کے کرتے تھے۔ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری کے باعث اس کی بارگاہ میں بلا واسطہ و ذریعہ کے کوئی دعا قبول ہی نہیں ہو سکتی قرآن شریف کی تعلیم سے نہ صرف یہی کہ بے اعتنائی برتی جاتی تھی بلکہ اس کی خلاف ورزی کھلے بندوں کی جاتی تھی۔ شراب نوشی اور افیون کا استعمال آزادانہ ہوتا تھا۔ زنا اور فواحش شرمناک حد تک ترقی کر گئے تھے ..... " الخ [101]

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو دینی تعلیمات سے دور کر کے محو خواب کرنے کے لیے تصوف بہترین نسخہ ثابت ہوا۔ اس کی افیونی تاثیر سے تقریباً پوری قوم بہت جلد گراں خوابی میں مبتلا ہو گئی جس نے نتیجۃً ان کے ذوق عمل کو قطعاً برباد کر کے چھوڑا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، جو خود بھی تصوف سے حد درجہ متاثر بلکہ اس کے مداح ہیں، اس امر کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں

" ان تمام سلاسل میں وحدت الوجود کو گویا اصول موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے زیر اثر کیف و سرور، جذب

---

[101] نیو ورلڈ آف اسلام ص ۲۰-۲۱

مستی اور وجد ورقص کا ذوق وشوق بڑھ رہا تھا اور فنا فی اللہ
کو شغل وسلوک کے منتہائے مقصود کی حیثیت حاصل ہو رہی
تھی جس کے باعث قویٰ مضمحل ہو رہے تھے اور جذبۂ جہاد
تو دور رہا جذبۂ عمل بھی سرد پڑتا جا رہا تھا۔" [102]

یہ تھیں وہ تمام دینی خدمات جو صوفیاء نے ہندوستان میں اپنے ورود مسعود وغیر مشکور کے بعد انجام دی تھیں۔ جماعت حزب اللہ پاکستان کے مؤسس جناب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے کیا ہی عمدہ اور مبنی بر صداقت بات کہی ہے:

"آج جو دین اسلام کے نام سے اس دنیا (برصغیر) میں پایا
جاتا ہے وہ انھیں حضرات کا ایجاد کردہ ہے، قرآن و حدیث
کے دین سے بالکل الگ، یکسر ممتاز، دین بندگی کے بجائے
دین خدائی۔" [103]

پروفیسر آرنلڈ وغیرہ سے تو ہمیں شکایت نہیں لیکن نہ معلوم مولانا مودودی اور مولانا علی میاں وغیرہما نے کس طرح ہندوستان میں اشاعت اسلام کی کوششوں کا سہرا صوفیاء کی جماعت کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے؟ ان حضرات کی تحریریں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یا تو ان کے اندر پوشیدہ ان کی آبائی تصوف کی رگ حمیت پھڑک اٹھی تھی یا پھر ان حضرات نے نہ ہندوستانی اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی کبھی تصوف کو سمجھنے کی کوشش کی تھی، واللہ اعلم۔ بہرحال جو بھی صورت ہو انتہائی افسوسناک ہے۔

---

[102] ماہنامہ حکمت قرآن لاہور ج ۶ عدد ۲ ص ۴۲۔ [103] توحید خالص قسط اول ص ۱۱۔

ہندوستان میں صوفیاء کی آمد اور ان کی مساعی :-

عموماً بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں تصوف ساتویں صدی ہجری میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ذریعہ آیا تھا جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مندرجہ ذیل اقتباس سے مترشح ہے :

"تصوف کے خانوادوں میں سے ارض ہند پر سب سے پہلے چشتی سلسلے نے قدم جمائے اور کم و بیش دو صدیوں تک خواجگان چشت ہی کا طوطی بولتا رہا۔ جیسے ہی اس سلسلے میں قدرے ضعف کے آثار پیدا ہوئے وسطی اور جنوبی ہند میں سہروردیہ اور شطاریہ سلسلوں کو فروغ حاصل ہوا اور شمال مغرب میں خصوصاً موجودہ پاکستان کے وسطی علاقوں میں قادریہ سلسلے نے عروج پایا....." الخ [۱۰۴]

لیکن یہ عام خیال ہندوستان میں تصوف کی آمد کی تاریخ سے لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ ہندوستان میں سب سے پہلے صوفی سید سالار مسعود (م ۴۲۴ھ) تھے جن کا مدفن بہرائچ میں ہے۔ ان کے بعد علی ہجویری المعروف بداتا گنج لاہوری (م ۴۶۵ھ) ہندوستان کے مشہور صوفی ہوئے۔ "کشف المحجوب" آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ان دو حضرات کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک کوئی معروف صوفی ہمیں نظر نہیں آتا۔ پھر پیر مکی سید عزیز الدین (م ۶۱۲ھ) کا دور آتا ہے جن کا مدفن لاہور میں ہے۔ ان کے بعد کہیں خواجہ معین الدین چشتی

---

[۱۰۴] ماہنامہ حکمت قرآن ج ۶ عدد ۲ ص ۴۲۔

(م ۶۳۳ھ) کا دور آتا ہے۔ گنج الاسرار، حدیث المعارف، دیوان خواجہ اور انیس الارواح ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۴ھ) کا نمبر آتا ہے۔ پھر اس چشمۂ تصوف سے سیراب ہو کر بے شمار صوفی آب و گیاہ کی طرح جگہ جگہ اگ آئے۔ مثال کے طور پر حمید الدین ناگوری (م ۶۴۱ھ، مرید شہاب الدین سہروردی)، جلال الدین تبریزی (م ۶۴۲ھ، خلیفہ شہاب الدین سہروردی، مدفن: بنگال)، لعل شہباز قلندر (م ۶۵۰ھ، خلیفہ بہاء الدین زکریا ملتانی، مدفن سیہون)، بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ، مدفن: ملتان)، فرید الدین گنج شکر (م ۶۷۰ھ، صاحب فوائد السالکین ملفوظات بختیار کاکی، مدفن: پاک پٹن، ضلع ساہیوال)، صدر الدین عارف (م ۶۸۴ھ، صاحب کنوز الفوائد، مدفن: ملتان)، علاء الدین صابر (م ۶۹۰ھ، خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکر، مدفن: کلیر)، شرف الدین بو علی قلندر (م ۷۲۴ھ، خلیفہ بختیار کاکی، مدفن: پانی پت)، نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ، مدفن: دہلی)، سید شرف الدین بلبل شاہ (م ۷۲۷ھ، مدفن: سری نگر)، ابو الفتح رکن الدین (م ۷۳۵ھ، مرشد جہانیاں جہاں گشت، مدفن: ملتان)، امیر حسن بن علاء سنجری دہلوی المعروف بخواجہ حسن دہلوی (م ۷۳۶ھ)، حمید الدین ابو حاکم ہنکاری (م ۷۳۷ھ، مرید شہاب الدین سہروردی و بہاء الدین زکریا ملتانی، مدفن: اُچ)، برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ، خلیفہ خواجہ نظام الدین، صاحب حصول الوصول، ہدایت القلوب، نفائس الانفاس، مدفن: دکن)، ابو الحسن امیر خسرو (م ۱۳۲۵ء، مرید نظام الدین اولیاء)، نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (م ۷۵۷ھ، مرید نظام الدین اولیاء، مدفن: دہلی)، شمس الدین اسماعیل (م ۷۵۷ھ، مدفن: اُچ ضلع بہاولپور)،

سید تاج الدین سمنانی جو ۷۶۰ھ میں کشمیر آئے تھے، سید حسین سمنانی جو ۷۷۳ھ میں کشمیر آئے، جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت (م ۷۸۵ھ، صاحب خزانہ جلالی، سراج الہدایہ، جامع العلوم، مدفن: اُچ)، امیر کبیر سید علی ہمدانی جو ۷۸۵ھ میں کشمیر کے دورہ پر آئے تھے، شاہ جلال یمنی (م ۷۸۶ھ، مدفن: سلہٹ آسام)، سید علی ہمدانی (م ۷۹۱ھ، مدفن: کشمیر) گیسو دراز (م ۸۲۵ھ، خلیفہ چراغ دہلوی، صاحب حواشی کشاف، شرح مشارق، حظائر القدس، شرح فصوص الحکم لابن عربی، اسماء الاسرار، مدفن: گلبرگہ)، شاہ مدار (م ۸۵۰ھ)، شاہ مینا لکھنوی (م ۸۷۰ھ)، عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ، صاحب شرح عوارف، محشی فصوص الحکم، رسالہ قدسیہ، غرائب الفوائد، رشد نامہ، منظہر عجائب، مدفن: سہارن پور)، داؤد کرمانی (م ۹۸۲ھ، مولد ملتان و مدفن ساہیوال)، صفی الدین حقانی (م ۱۰۰۷ھ، مرید ابواسحاق گازرونی، مدفن: اُچ)، خواجہ باقی باللہ دہلوی (م ۱۰۱۲ھ، مرید شیخ احمد سرہندی)، میاں میر لاہوری (م ۱۰۲۰ھ، مدفن: لاہور)، شاہ حسین (م ۱۵۹۹ء، مدفن: لاہور، تعلق از فرقہ ملامتیہ)، خیر الدین شیخ ابوالمعالی قادری (م ۱۰۲۴ھ، صاحب دیوان غربتی، تحفۃ القادری، گلدستہ باغ ارم، رسالہ مونس جان۔ زعفران زار، مدفن: لاہور)، شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ، صاحب مکتوبات ربانی و رسالہ در رد روافض)، شاہ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، ابوعبداللہ سعد معز الدین المعروف بہ آدم بنوری سرہندی (م ۱۶۴۳ء، خلیفہ مجدد الف ثانی)، شاہ دولہ (م ۱۰۷۵ھ، مدفن: گجرات)، محمد سعید سرمد (م ۱۶۵۸ء، صوفی شاعر)، شاہ ابوالرضا محمد (م ۱۱۰۱ھ)، شاہ لطیف بھٹائی (م ۱۱۱۵ھ)، سلطان باہو (م ۱۶۹۰ء، پنجابی صوفی شاعر، صاحب ابیات باہو، مدفن: شورکوٹ جھنگ)،

شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ)، محمد غوث گوالیاری (م ۱۱۵۲ھ، صاحب رسالہ غوثیہ، مدفن: لاہور)، سید احمد سلطان سخی سرور (م ۱۱۷۴ھ خلیفہ شاہ مودود چشتی، مدفن: شاہ کوٹ ڈیرہ غازی خان)، شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)، بلھے شاہ قصوری (م ۱۷۵۸ء)، فریدالدین عطار (م ۱۲۲۹ھ، آپ نے ہندوستان کا سفر بھی کیا تھا)، عبدالوہاب سچل سرمست (م ۱۸۲۸ء، سندھی صوفی شاعر، صاحب دیوان آشکارا، رہبر نامہ، راز نامہ، قتل نامہ، مرغ نامہ، وصیت نامہ)، اسحاق گازرونی سہروردی لاہوری (م ۱۲۸۴ھ)، امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۸۹۹ء، صاحب جہاد اکبر، مثنوی تحفۃ العشاق، ارشاد مرشد، وحدت الوجود، فیصلہ ہفت مسئلہ، گلزار معرفت، مرقومات امدادیہ، مکتوبات امدادیہ، درنامہ غضبناک، ضیاء القلوب)، خواجہ غلام فرید (م ۱۹۰۱ء، پنجابی صوفی شاعر، مدفن: مٹھن کوٹ)، اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء، صاحب عرفان حافظ وغیرہ)، شمس الدین نوربخشی جو ۱۴۹۶ء میں کشمیر میں آئے، میاں شیر محمد شرقپوری نقشبندی (م ۱۹۲۸ء، مدفن: شیخوپورہ)، وارث علی شاہ (م ۱۹۰۴ء، مولد دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی)، عبدالرحمٰن بابا (م ۱۷۰۶ء، پشتو صوفی شاعر، مدفن: ہزار خوانی)، عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی سہروردی (م ۱۵۰۴ء، مدفن: لاہور)، صدرالدین تریکپین شاہ (جو ۱۳۲۰ھ میں کشمیر آئے تھے)، احمد رضا خاں بریلوی، قاسم نانوتوی دیوبندی، شاہ علی حیدر، عبداللہ شطاری، ملا شاہ بدخشی، سلیم چشتی (مدفن آگرہ)، محمد علی رضا، شمس الدین سبزواری ثم ملتانی، صدرالدین اسماعیلی (مدفن: اُچ)، تاج الدین بابا (مدفن ناگ پور)، شاہ لطیف بری (مولد جہلم)، فخرالدین زنجانی (پیر سعدالدین حموی، مدفن لاہور)، سید کبیرالدین حسن سہروردی (مدفن اُچ)، موسیٰ آہنگر سہروردی (مرید بہاء الدین زکریا ملتانی، مدفن: لاہور)، شاہ جمال سہروردی، سید شاہ محمد سہروردی (فرزند مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مدفن:

اُچ)، سید راجو قتال بخاری (خلیفہ و برادر مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مدفن: اُچ) اور ان کے علاوہ بہت سے صوفیاء یکے بعد دیگرے ہندوستان میں پیدا ہوتے رہے جن کے مزارات حیدر آباد دکن، گلبرکہ، اورنگ آباد، بریلی، دیوہ، کچھوچھہ، بدایوں، مارہرہ، بمبئی، ردولی، جلال پور، پیروالا، سیہوان، درازہ، حجرہ شاہ مقیم، بھٹ شاہ اور ٹھٹھہ وغیرہ مقامات پر موجود ہیں مگر یہ ان تمام کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

صوفیاء کی اشاعتِ اسلام کے ضمن میں

مساعی کا ایک معروضی تجزیہ :-

مشہور صوفی شیخ فرید الدین گنج شکر کے متعلق مقامی روایات اور گزٹس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پنجاب کے متعدد قبائل ان کے ذریعہ مشرف باسلام ہوئے تھے[۵۰۱] اسی طرح بعض دوسرے صوفیاء مثلاً علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء، بہاء الدین زکریا ملتانی، جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور امیر خسرو وغیرہ کے ذریعے ہزاروں غیر مسلموں کے تائب اور ان کے معتقد ہونے کے واقعات کتب صوفیہ میں مذکور ہیں۔

---

۵۰۱ SOME ASPECTS OF RELIGION & POLITICS P. 321;

LIFE & TIMES OF FARIDUDDIN GANJ-E-SHAKAR =

صوفیاء کے ذریعہ غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کی ان سے حکایات کی صحت کو تسلیم کر لینے کے باوجود بھی اس سلسلہ میں ان کی کسی عملی کوشش اور جد وجہد کے شواہد موجود نہ ہونے کے باعث شیخ محمد اکرام وغیرہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ :

" باباصاحب (فریدالدین گنج شکر) نے اشاعت مذہب اور تبدیل عقائد کی جو مثالیں یادگار چھوڑی ہیں ان میں اظہارِ کرامت کو بڑا دخل ہے.... حضرت باباصاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا وہ سادہ اور ضعیف الاعتقاد تھے ان پر کرامات کا بڑا اثر ہوتا تھا چنانچہ باباصاحب اپنے تصرفات کی بنا پر ان میں شاندار نتائج پیدا کر سکے"۔ [106]

اسی طرح "خزینۃ الاصفیاء"[107] اور "A HISTORY OF SUFISM IN INDIA"[108] وغیرہ میں مذکور ہے کہ " جواہر فریدی اور بعض دوسرے صوفی مآخذ میں کرامات کے نتیجہ میں بڑی تعداد میں لوگوں کے مشرف باسلام ہونے کا ذکر ہے"۔

پس معلوم ہوا کہ صوفیاء کے تعلق سے جہاں کہیں بھی اشاعتِ اسلام کا ذکر ملتا ہے وہ بطور خوارق وکرامات کے ہی ملتا ہے، [109]

ـــــ آب کوثر ص ۲۵۱ ، P. 107-109; PREACHING OF ISLAM P. 231;

[106] آب کوثر ص ۲۸۳ ۔

[107] ج ۱ ص ۲۵۹-۲۶۳ ۔

[108] VOL. I, P. 117 ۔ [109] خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۵۴ ، ۲۵۸ - ۲۶۲ ؛

خیر المجالس ص ۵۴ ، ۸۶-۸۷ ، ۱۹۱-۱۹۲ ، ۲۰۸ ، ۲۶۹ ؛ فوائد الفواد ص ۲۱۰ ، ۲۲۷-۲۲۸ ؛ آب کوثر ص ۲۸۳ ۔

ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے ان حضرات کی اس ضمن میں کسی عملی جد و جہد یا کوششوں کا سراغ مل سکتا ہو۔ وہ مصادر و مآخذ جن کے متعلق یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اُن میں اُن صوفیاء کی زندگی کے اِس اہم گوشے (یعنی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کی جانے والی ان کی تبلیغی سرگرمیوں) کی مستند اور قابل اعتماد تفصیلات مل سکیں گی، اس بارے میں قطعی خاموش ہیں۔ مثال کے طور پر خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ "فوائد الفواد"، جس کا رتبۂ استناد عام طور پر صوفیاء و مورخین کے نزدیک مسلم ہے خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیت، ان کے حالات زندگی، ان کی تعلیمات، ان کے اہم کارناموں اور تبلیغ و ارشاد کے سلسلہ میں ان کی مساعی کے ذکر سے بالکل خالی ہے۔ اسی طرح حمید قلندر کی "خیر المجالس"، جمالی کی "سیر العارفین" اور محمد بن مبارک علوی کی "سیر الاولیاء" وغیرہ بھی اس ضمن میں قطعاً خاموش ہیں۔

ان تمام صوفی مآخذ (جن کی حیثیت گھر کی شہادت کی ہو سکتی تھی) اور دیگر تاریخی شواہد کی اس باب میں مکمل خاموشی کے منطقی اعتبار سے مندرجہ ذیل چند امکانات ہو سکتے ہیں:

اوّل یہ کہ ان صوفیاء نے اس سلسلہ میں قطعاً کوئی کوشش ہی نہیں فرمائی ہو۔

دوم یہ کہ اگر انھوں نے اس جہت میں کوئی کوشش کی بھی تھی تو ان کے جانشینوں اور سوانح نگاروں کی نظر میں اس کام کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ اس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا جاتا۔

سوم یہ کہ اگر صوفیاء نے اس بارے میں کوئی کوشش کی تھی تو انھیں

سخت ناکامی کا سامنا ہوا تھا۔

چہارم یہ کہ اگر صوفیاء نے اس بارے میں کوشش کی تھی تو وہ اس قدر غیر منظم، غیر مسلسل، مختصر اور محدود تھی کہ جس پر تبلیغ کا گمان ہی نہ ہو سکتا ہو۔

بہر حال یہ بات تو کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر باقاعدہ اشاعت اسلام کا مسئلہ ان صوفیاء کی ترجیحات میں شامل ہوتا یا غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا وہ اپنی روحانی ذمہ داری محسوس کرتے تو یہ یقینی امر ہے کہ وہ اس پر ضرور غور و فکر کرتے اور اس کی تکمیل کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور اختیار کرتے۔ مگر اس ضمن میں دستیاب تمام تاریخی شواہد کے تنقیدی مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس بن کر ابھرتی ہے کہ ان صوفیاء نے ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں قطعاً کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، ورنہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بلاشبہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا اور تاریخی نہ سہی، صوفی مآخذ ہی اس کے تذکرہ سے قطعاً تہی دامن نہ ہوتے۔

جب تمام سوانح نگار ہندوستان میں ان اساطینِ تصوف کے متعلق خوارق و کرامات کے ظہور کے زیرِ اثر بکثرت لوگوں کے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے علاوہ قطعاً ایسے واقعات بیان نہیں کرتے جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ کچھ غیر مسلم ان بزرگوں کی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کے ذریعہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے تو اس بات پر مصر رہنا کہ "ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا اصل سہرا صوفیاء کے سر ہے" محض اندھی عقیدت اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی احمقانہ کوشش کے سوا اور

کیا ہو سکتا ہے؟

صوفیاء کے حالات زندگی سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں انھوں نے قطعاً کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ذیل میں ہم ان صوفیاء کے بعض مشہور اصول کے تجزیاتی مطالعہ سے بھی یہ امر ثابت کریں گے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی بیان کرتے ہیں :

"صوفیاء نے ہندوستان کے تہذیبی نقشے میں ہر دین اور ہر قبلہ گاہ کی اہمیت کو پہچان لیا تھا"۔[۱۱۰]

پروفیسر موصوف مزید فرماتے ہیں :

"صوفیاء مختلف مذاہب کو خدا تک پہنچنے کے مختلف راستے مانتے تھے چنانچہ دوسرے راستوں (مذاہب) کے خلاف تنقید کو ناپسند کرتے تھے"۔[۱۱۱]

عزیز احمد صاحب بھی بیان کرتے ہیں کہ :

"صوفیاء کے نزدیک وحدۃ الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات کے پیشِ نظر کافر و مومن کے امتیازات مٹ جاتے ہیں اور ویدوں کو الہامی کتب کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے"۔[۱۱۲]

---

[۱۱۰] تاریخ مشائخ چشت ۲۸۳/۱ ، [۱۱۱] "سماجی یکجہتی میں صوفی سنتوں کا رول" طبع در ماہنامہ دارالعلوم دیوبند صـ۳۶ بجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء ، [۱۱۲] "STUDIES IN ISLAMIC CULTURE IN THE INDIAN ENVIRONMENT". P.138-139.

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلسلہ صابریہ کے ایک صوفی عبدالقدوس گنگوہی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"این چہ شور است این چہ غوغا کشادہ، کسے مومن کسے کافر کسے مطیع کسے عاصی، کسے در راہ کسے بے راہ، کسے مسلم کسے پارسا، کسے ملحد کسے ترسا، ہمہ در یک سلک است۔" [۱۱۳]

یعنی "یہ کیسا شور و غوغا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی فرمانبردار ہے کوئی گناہگار، کوئی راہ رو ہے کوئی بے راہ رو، کوئی مسلم ہے کوئی پارسا، کوئی ملحد ہے کوئی خدا ترس ــــ یہ سب دراصل ایک ہی راستہ کے راہی ہیں"۔

اسی طرح منقول ہے کہ:

"اجمیر کے شیخ حمید الدین چشتی نے ایک مرید کو مریدی سے خارج کر دیا تھا کیونکہ وہ مذہب کی ظاہر داریوں کو اہمیت دیتا تھا اور کسی غیر مسلم کی روح کے اندر جھانکنے سے قاصر تھا۔ ان کے نزدیک اہم بات یہ تھی کہ کسی شخص کی روحانی حالت کیا ہے اور وہ خدا سے کتنا نزدیک ہے نہ کہ یہ بات کہ اس کے ماتھے پر کون سا لیبل لگا ہوا ہے۔" [۱۱۴]

پس اگر صوفیاء کے نزدیک تمام مذاہب کا منتہاء، مقصود و منزل ایک ہی تھی تو پھر منطقی نقطہ نظر سے ان کی نگاہ میں اسلام کی توسیع و اشاعت کے لیے

---

۱۱۳ مکتوبات قدوسیہ ص ۳۰۵ ، ۱۱۴ "سماجی یک جہتی میں صوفی سنتوں کا رول" ــــ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۳۵ مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء۔

کوشش اور جد و جہد کی کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ شاید اسی باعث ان حضرات نے اس سلسلہ میں کوئی کوشش کرنا قطعاً غیر اہم سمجھا تھا۔

چونکہ صوفیاء مختلف مذاہب کو اللہ تک پہنچنے کے مختلف راستے سمجھتے تھے اور ایک دوسرے پر تنقید کو ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے لہٰذا بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "صوفیاء کا پختہ یقین تھا کہ روحانی فضیلت مسلمانوں کی طرح ہندو بھی حاصل کر سکتے ہیں"[115] چنانچہ ان حضرات نے یہ اصول وضع کیا کہ انسانوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی تفریق نہ کی جائے بلکہ اس امر کی کوشش کی جائے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ شگفتہ نوعیت کے تعلقات قائم رہیں چنانچہ "نافع السالکین" میں مذکور ہے:

"حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریق ما ہست کہ با مسلمان و ہندو صالح باید داشت و ایں بیت شاہد آوردند ؎

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام　　با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام"[116]

یعنی "حضرت قبلہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے طریق میں ایک اصول یہ ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح کا تعلق رکھا جائے اور اس کے لیے یہ شعر بطور شہادت پیش کرتے تھے: اے حافظ اگر تو اپنے رب سے وصال کا خواہاں ہے تو ہر خاص و عام کے ساتھ صلح رکھ، مسلمانوں کے ساتھ اللہ اللہ اور برہمن کے ساتھ رام رام کر۔"

---

۱۱۵ "SOME ASPECTS OF RELIGION AND POLITICS" P.318

۱۱۶ تاریخ مشائخ چشت ۱/۳۸۳ بحوالہ نافع السالکین ص۱۲۶ و کذا فی آب کوثر ص۲۱۷۔

اسی طرح سلسلہ چشتیہ کے صوفی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"تا سعًا آں کہ صلح با ہندو و مسلمان سازند و ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما نداشتہ باشند ذکر و فکر و مراقبہ وتعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بربقہ اسلام خواہد کشید۔"[171]

یعنی "نہم یہ کہ ہندو اور مسلمان دونوں سے صلح رکھی جائے اور ان دونوں فرقوں میں سے جو بھی تم سے اعتقاد رکھتا ہو اس کو ذکر و فکر اور مراقبہ کی تعلیم دی جائے کہ ذکر اپنی خاصیت سے اس کو خود دائرۂ اسلام میں کھینچ لائے گا"۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنے ایک مضمون "سماجی یکجہتی میں صوفی سنتوں کا رول" کے تحت اس صلح جوئی کا سبب یوں بیان فرماتے ہیں:

"خدا کی محبت کو اپنا آدرش ماننے والوں کو خدا کے اوصاف کا اپنانا ضروری تھا یعنی جس طرح خدا نے سورج پانی اور زمین جیسی تمام نعمتیں ہر ذات، رنگ، نسل اور کردار کے لوگوں کو یکساں طور پر بخشی ہیں اسی طرح انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ تمام انسانوں کو برابر سمجھے مذہب یا نسل کی بنیاد پر امتیاز کرنا خدا کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا صوفیوں کے فلسفۂ حیات میں اس کے لیے کوئی

---

[171] تاریخ مشائخ چشت ۲۱۰/۵

جگہ نہ تھی"۔ ۱۱۸ھ

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں غیر مسلموں کے ساتھ صوفیاء کی مصالحت پسندی کا یہ اصول ہی دراصل ان کی ہر دلعزیزی کا سبب بنا ہے۔ شیخ محمد اکرام اور پروفیسر خلیق احمد نظامی بیان کرتے ہیں کہ "صوفیاء کی غیر مسلموں کے ساتھ مصالحت والی پالیسی اس قدر بڑھی کہ خود صوفیاء نے بہت سے ہندو رسم و رواج کو اختیار کر لیا تھا" ۱۱۹ھ

اس حقیقت کو بہت سے مستشرقین مثلاً ہارٹن (HORTON) بلوشیت (BLOCHET)، ماسی نون (MASSIG NOON) گولڈزیہر (GOLD ZIHER) اور اولیری (O' LEARY) وغیرہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

بعض ہندو طور طریقے جنھیں صوفیاء نے اختیار کر لیا تھا تقاضائے شریعت کے قطعاً منافی بھی تھے مثلاً شرعاً حلال اشیاء کے استعمال کو اپنے لیے حرام سمجھ لینا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں:

> "صوفیاء ہندوانہ نظریہ اہنسا کے قائل تھے۔ ہندو بھائیوں کے جذبات کے احترام کے پیش نظر ان کا خیال تھا کہ جو شخص ۴۰ گائیں یا ۱۰۰ بکریاں ذبح کرتا ہے وہ گویا ایک آدمی کو قتل کرتا ہے۔ اور جس نے صرف لذت کی خاطر کسی

۱۱۸ھ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۳۵ بحریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء، ۱۱۹ھ "SOME ASPECTS OF RELIGION AND POLITICS IN INDIA DURING THE 13th CENTURY," P. 128 - ۱۲۰

جانور کی جان لی تو وہ گویا انہدام کعبہ کا مرتکب ہوا۔“ [۱۲۰]

مشہور صوفی حمید الدین ناگوری کے متعلق مشہور ہے کہ ”وہ اہنسا پر سختی کے ساتھ پابند تھے، صرف سبزیاں کھاتے اور ہرگز یہ پسند نہ کرتے تھے کہ ان کے لیے کسی جاندار کی جان لی جائے۔“ [۱۲۱]

پروفیسر خلیق احمد نظامی صوفیاء کا منہج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”صوفیاء خدمت خلق کو عبادت کا درجہ دیتے تھے اور دل نوازی مخلوق کے ذریعے خالق کائنات تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کسی دل کو تسکین وراحت پہنچانا اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ ”دل بدست آورد کہ حج اکبراست“ ان کا لائحہ عمل تھا۔ وہ پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھتے تھے اور ”الخلق عیال اللہ“ پر سچا ایمان رکھتے تھے۔ ان کے دستور حیات میں قلوب انسانی کو ایک رشتۂ الفت میں پرونا سب سے مقدس کام تھا۔“ [۱۲۲]

قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ جو طبقہ کسی کی دل نوازی اور کسی کے دل کو راحت و تسکین پہنچانے کی غرض سے اپنی دینی تعلیمات سے دستبردار ہو کر دوسروں کی تعلیمات کو اپنا لائحہ عمل بنا لے کیا اس طبقہ کے افراد سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے اصل دین کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں بھی کوئی خاطر خواہ خدمت انجام دے سکے گا؟

---

[۱۲۰] ایضاً ص ۳۱۸-۳۱۹ ملخصاً بحوالہ انیس الارواح [۱۲۱] ایضاً ص ۲۳۹-۲۴۰ ملخصاً بحوالہ سرور الصدور [۱۲۲] اوراق مصور ص ۵۱-۶۲۔

حق یہ ہے کہ صوفیاء کی غیر مسلموں کے ساتھ یہ حکمت عملی، ان کے غیر معمولی اثرات و مقبولیت کے ساتھ ان کے مختلف سلاسلِ تصوف کی توسیع و اشاعت کا ذریعہ تو ضرور بنی لیکن اسلام کی تبلیغ و ترویج کے سلسلہ میں ان کی مساعی کی کوئی تاریخی شہادت دستیاب نہیں ہے۔

ہندوستان میں جو صوفیاء گزرے ہیں ان میں سے بعض کے متعلق یہ تفصیل بھی کسی صاحبِ علم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ وہ ہندو جوگیوں اور سنتوں سے ان کے علم و تجربات جاننے کی کوشش کرتے، ان سے استفادہ کی خواہش کا برملا اظہار کرتے اور ان کی تحسین فرمایا کرتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ "ایک مرتبہ شیخ فرید الدین کی مجلس میں ایک جوگی موجود تھا۔ شیخ نظام الدین نے اس سے پوچھا کہ تم لوگوں کے یہاں اصل چیز کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہمارے علم کی رو سے نفسِ آدمی دو عالم پر مشتمل ہے، عالم علوی اور عالم سفلی پھر اس جوگی نے ان دونوں عالموں کی قدرے تفصیل بیان کی۔ شیخ نے اس کی گفتگو سن کر تحسین آمیز لہجہ میں فرمایا "مرا سخن او خوش آمد"۔ یعنی "مجھے اس کا کلام پسند آیا"[۱۲۳]

واضح رہے کہ ہمارے بعض علماء اس کائنات کے لیے "عالم اکبر" اور خود اپنے نفس کے لیے "عالم اصغر" کی جو اصطلاحات استعمال کیا کرتے ہیں وہ انہی صوفیاء کی راہ سے داخل ہونے والا جوگیانہ فلسفہ ہے۔

"خیر المجالس" میں بھی ایک مقام پر جوگیان سندھ کا تذکرہ بایں الفاظ موجود ہے: "انفاس شمردہ می زنند"۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے

---

۱۲۳ فوائد الفواد ص۵۹-۶۰۔

بھی اسی فلسفہ کے زیر اثر فرمایا تھا: "ولہٰذا صوفی آنست کہ نفس او شمردہ باشد"۔ ۱۲۴؎

لیکن افسوس کہ باوجود ربط و تعلق ہونے کے ان صوفیاء میں سے کسی کے متعلق بھی ان ہندو جوگیوں اور سنتوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے یا انہیں دین کی طرف راغب یا مائل کرنے یا تلقین کرنے کا قطعاً کہیں ذکر نہیں ملتا۔ کیا کوئی ذی عقل یہ بات باور کر سکتا ہے کہ یہ صوفیاء جب اپنی مجالس میں ہندو جوگیوں اور سنتوں سے ان کے تجربات، علم و مشاہدہ کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال کریں تو وہ تمام بحث "ON THE RECORD" محفوظ رہے لیکن جب اپنی مجالس میں موجود انہی جوگیوں کو اسلام کی دعوت دیں تو وہ تمام مباحثہ "OFF THE RECORD" بن جائیں؟

مختصر یہ کہ تصوف کی ان بھول بھلیوں میں صدیاں بیت گئیں، تمام اقوام عالم بیدار ہوتی رہیں لیکن عام ہندوستانی مسلمان تصوف کے افیونی نشہ کے زیر اثر محوِ استراحت ہی رہا مگر ہندوستان میں صوفیاء کے اس غلبہ سے ہمارا یہ قطعی مقصد نہیں ہے کہ اہل حق موجود نہ رہے ہوں، سرے ہی سے معدوم ہو گئے ہوں، بلکہ ہمارا مقصد فقط یہ ہے کہ تصوف کی آمد سے عوام کا رجحان علوم شریعت کی طرف سے ہٹ کر تصوف اور سلوک کی جانب منتقل ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس پُر آشوب دور میں بھی علمائے حدیث و قرآن مسلسل پیدا ہوتے رہے لیکن ان کی تعداد بہت کم اور ان کا حلقۂ

۱۲۴؎ خیر المجالس ص ۵۹-۶۰۔

درس بہت محدود تھا۔ نتیجۃً اشاعت اسلام کا دائرہ جو کبھی وسعت پذیر تھا تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ اس پستی کے دور میں تصوف کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا لہٰذا ہم پاتے ہیں کہ ہندوستان میں تصوف بہت جلد دین اسلام کے متوازی ایک دوسرے دین کی حیثیت سے کھڑا تھا اور اسلام کے مدمقابل بہت حد تک تندرست و توانا بھی تھا۔

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس پُرفتن دور میں بھی بعض سعید روحیں ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ ذیل میں ہم انہی سعید روحوں کا تذکرہ کریں گے:

چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث اور انکی مساعی کا جائزہ

چھٹی صدی ہجری (یعنی ۵۷۷ھ) میں ایک بزرگ علامہ رضی الدین ابو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی القرشی العدوی العمری الصغانی الحنفی بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ آپ نے ہندوستان کے علمائے وقت کے علاوہ علمائے یمن و عرب کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف میں مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ، الاضداد، یفعول، العباب الزاخر و اللباب الفاخر اور موضوعات الصغانی، اور غیر مطبوعہ تصانیف میں مجمع البحرین، التکملہ لصحاح الجوہری، اسامی شیوخ البخاری، الشوارد فی اللغات، شرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریدیۃ، شرح صحیح البخاری، شرح ابیات المفصل، کتاب فعال علی وزن حذام او قطام، کتاب التراکیب، کتاب درّ

الصحابۃ فی مواضع وفیات الصحابہ، مختصر الوفیات، ما تفرد بہ بعض ائمۃ اللغۃ، فعلان علی وزن سیّان، کتاب الافتعال، الانفعال، کتاب الاضداد، کتاب العروض، کتاب فی اسماء الأسد، کتاب فی اسماء الذئب، کتاب مصباح الدجیٰ، کتاب الشمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ، کتاب الضعفاء، کتاب الفرائض، کتاب فی اسماء العادۃ، کتاب فی تعزیۃ بیتی الحریری، کتاب ذیل العزیزی، کتاب لنظم عدد آی القرآن، کتاب نقعۃ الصدیان فی علم الحدیث، الدر الملتقط فی تبیین الغلط ونفی اللغط آپ کے کمال علم پر دلیل ہیں۔

آں رحمہ اللہ اپنی کتاب "مشارق الانوار" کے دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں:

"یہ کتاب صحت اور متانت میں میرے اور اللہ کے مابین حجت ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ میں نے اس کی تالیف میں کس قدر مشقت اٹھائی ہے۔ اس کتاب کی خوبی اور بزرگی ہر شخص دریافت نہیں کر سکتا، اس کو صرف علماء جانتے ہیں اور علماء میں سے بھی صرف وہی عالم جانتے ہیں جن کو علم حدیث میں بڑا ملکہ اور کمال مہارت حاصل ہے"۔[125]

آں رحمہ اللہ ہی "مشارق الانوار" کے خطبہ میں اس کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب زمانہ بگڑا اور اہل علم مرکھپ گئے اور کم علم نافہم جن کو صحیح اور ضعیف کے مابین تمیز نہیں عالم اور پیشوا

---

125 کما فی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص 135

مشہور ہوئے تو میں نے اس کتاب "مشارق الانوار" میں اپنی دو تصانیف مصباح الدجی اور الشمس المنیرہ کی صحیح احادیث جمع کیں اور کتاب النجم للاقلیشیؒ و کتاب الشہاب للقضاعیؒ سے بھی جو صحیح روایات ملیں وہ اس میں شامل کیں تاکہ صحیح احادیث مختصر کتاب میں یکجا جمع ہو جائیں۔" [126]

اس کتاب کی اہمیت، جامعیت اور افادیت کا اندازہ علامہ گازرونی کے اس قول سے بخوبی ہوتا ہے کہ "مشارق الانوار میں سب احادیث ۲۲۴۶ دو ہزار دو سو چھیالیس ہیں"۔ مشارق الانوار کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل دادا مرحوم علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے "مقدمہ تحفتہ الاحوذی" [127] میں درج کی ہے۔

علامہ صغانیؒ کی ایک دوسری کتاب "الدر الملتقط" کے متعلق علامہ کتانیؒ بیان کرتے ہیں:

"رضی الدین ابو الفضائل حسن بن محمد بن الحسن بن حیدر العدوی العمری الصغانی جن کو بعض لوگ الصاغانیؒ بھی کہتے ہیں۔۔۔ نے اس کتاب میں احادیث موضوعہ جمع کی ہیں اور اس میں ایسی بہت سی احادیث بھی درج کر دی ہیں جو موضوع کے درجہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ وہ محدثین میں سے ابن الجوزیؒ اور فیروز آبادیؒ صاحب سفر السعادہ وغیرہ کی طرح اس بارے میں بہت متشدد تھے۔" [128]

---

[126] نفس مصدر ص ۱۳۵، [127] نفس مصدر ص ۱۳۶ - ۱۳۷، [128] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۵۱

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی ؒ، ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، محمد درویش حوت البیروتی ؒ، محمد علی الشوکانی ؒ، ملا علی القاری ؒ، اور محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے احادیث موضوعہ سے متعلق علامہ صغانی ؒ کی تصریحات کو بہت سے مقامات پر قبول کیا ہے۔[129]

آں رحمہ اللہ کا سنہ وفات ۶۵۰ھ ہے۔

علامہ صغانی ؒ کے تفصیلی ترجمہ کے لئے الاعلام لخیر الدین زرکلی ؒ، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ للسیوطی ؒ، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ لعبد القادر قرشی ؒ، شذرات الذہب، العبر، العقد الثمین لتقی الدین الفاسی ؒ، فوات الوفیات، معجم الادباء، النجوم الزاہرہ لابن تغری بردی ؒ، تاریخ التراث العربی لفواد سزکین، الرسالہ المستطرفہ للکتانی ؒ، تحفۃ الاخیار، ابجد العلوم للنواب صدیق حسن خان ؒ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ؒ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔[130]

۱۲۹ے سفر السعادۃ ص۱۴۵، کشف الخفاء ۲/۹۲، ۲۸۶، ۲۹۳، ۳۰۰، الفوائد المجموعہ ص ۱۴۷، ۲۱۷، ۲۵۷، اسنی المطالب ص۱۳۰، الاسرار المرفوعہ ص۲۷، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۷، ۶۱، ۹۰، ۹۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۲۹، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۷۷، ۱۸۲، ۲۰۴، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۴۸، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۱/۶۵، ۱۶۵،

۱۳۰ے الاعلام للزرکلی ۲/۲۳۳، بغیۃ الوعاۃ ۱/۵۱۹، الجواہر المضیئۃ ۱/۲۰۱-۲۰۲، شذرات الذہب ۵/۲۵۰، العبر ۵/۲۰۵-۲۰۶، العقد الثمین للفاسی ۴/۱۷۶-۱۷۹، فوات الوفیات للکتبی ۱/۲۶۱-۲۶۲، معجم الادباء ۹/۱۸۹-۱۹۱، النجوم الزاہرہ ۷/۲۶، تاریخ التراث العربی لفواد سزکین ۱/۲۰۱، الرسالۃ المستطرفہ ص۱۵۱، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۳۵-۱۳۷۔

علامہ صغانیؒ سے قبل قاضی سعدالدین خلف بن محمد الکردی الحسناباد ی شیخ نظام الدین محمد بن الحسن المرغینانیؒ اور شیخ مسعود بن شیبہ بن الحسین ابن السندی عماد الدینؒ (صاحب کتاب التعلیم[131]) وغیرہ کا شمار ہندوستان کے مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ اول الذکر دو علماء سے علامہ صغانیؒ کو شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

ساتویں سے دسویں صدی ہجری تک کے بعض علمائے حق اور ان کی علمی خدمات

علامہ صغانیؒ کے بعد شیخ محمود بن محمد سعدالدین دہلوی (م ۶۷۱ھ، صاحب افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار[132]) ایک مشہور عالم دین تھے۔ ان کے بعد قاضی جلال الدین دہلویؒ اور علامہ نجم الدین ابوالخیر سعید بن عبداللہ دہلویؒ (م ۷۴۹ھ) کا دور آتا ہے، پھر شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالدائم بن موسیٰ برماوی شافعیؒ (م ۸۳۱ھ، صاحب اللامع الصبیح شرح جامع الصحیح للبخاریؒ)، شیخ فیروزؒ (م ۸۶۰ھ، والد شاہ سعداللہؒ)، شیخ سعداللہؒ (م ۹۲۸ھ، جد امجد شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ)، شیخ امان اللہ پانی پتیؒ (م ۹۵۷ھ) عبدالاول جونپوریؒ (م ۹۶۸ھ، صاحب فیض الباری شرح صحیح البخاریؒ) شیخ علی مہائمیؒ، شیخ علی المتقی بن حسام الدین جونپوریؒ (م ۹۷۵ھ، صاحب منہج العمال فی سنن الاقوال، الاکمال

---

[131] الجواہر المضیئۃ ۲/۱۰۰، [132] نفس مصدر ۲/۳۰۸

لمنہج العمال، غایۃ المثال فی سنن الاقوال، مستدرک الاقوال بسنن الافعال و کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال)، شیخ ناگوریؒ، شیخ رزق اللہ مشتاقؒ بن شیخ سعد اللہؒ، شیخ ید اللہ السوہیؒ، شیخ برخوردار السندیؒ، شیخ سیف الدینؒ (م ۹۹۰ھ)، ابن شیخ سعد اللہؒ، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ (م ۹۹۸ھ، استاذ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، صاحب شرح شرح نخبۃ الفکر) اور شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی حنفیؒ (م ۹۸۶ھ، صاحب مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار، تذکرۃ الموضوعات، تعلیقات علی جامع الترمذی عن شرحہ الاحوذی، المغنی فی اسماء الرجال، قانون فی ضبط الاخبار الموضوعۃ والرجال الضعفاء) وغیرہ جیسے کبار علماء و محدثین پیدا ہوئے۔ ان میں سے **شیخ علی المتقی بن حسام الدین جونپوریؒ** کے متعلق شیخ ابوالحسن الشافعیؒ کا معروف قول ہے کہ "علامہ سیوطیؒ کا تمام علماء پر احسان ہے اور علامہ علی المتقیؒ کا علامہ سیوطیؒ پر احسان ہے۔"

اس عہد کے ایک اور نامور عالم شیخ علی شیخ علی المتقی بن حسام الدینؒ کے تلمیذ شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی تھے جن کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

شیخ محمد بن طاہر پٹنی: - شیخ پٹنیؒ کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے "مقدمہ تحفۃ الاحوذی" میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میاں محمد طاہر در پٹن گجرات بودہ۔۔۔ بحرمین شریفین رفت و مشائخ آں دیار شریف را دریافت تحصیل

وتکمیل علم حدیث نمود باشیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ صحبت داشت و مرید شد در علم حدیث تو الیف مفیدہ جمع کردہ ازاں جملہ کتابیست کہ متکفل شرح صحاح است مسمیٰ بمجمع البحار و رسالۂ دیگر مختصر مسمی بمغنی کہ تصحیح اسماء رجال کردہ بے تعرض بہ بیان احوال بغایت مختصر و مفید و در خطبہائے ایں کتب مدح شیخ علی متقی بسیار کردہ"۱۳۳؎

یعنی "میاں محمد طاہر پٹن (گجرات) کے مقام پر تھے..... آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور اس دیار شریف کے علماء و مشائخ سے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی۔ شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علمی مصاحبت رکھی اور ان کے مرید ہو گئے۔ آپ نے علوم حدیث پر مفید کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ایسی ہے جو صحاح کی شرح کی متکفل ہے۔ اس کتاب کا نام "مجمع البحار" ہے۔ اسی طرح "مغنی" کے نام سے ایک دوسرا مختصر رسالہ بھی اُسماء الرجال کی تصحیح پر بے تعرض بیان احوال رجال تالیف فرمایا۔ یہ رسالہ انتہائی مختصر لیکن مفید ہے۔ ان کتب کے خطبہ میں شیخ علی متقی نے ان تالیفات کی بہت مدح بیان کی ہے۔"

شیخ محمد بن طاہر پٹنی گو حنفی المسلک تھے لیکن ان کی تصانیف کے بعض مقامات سے تقلید و جمود کے برعکس تحقیق و اتباعِ سنّت کا رجحان عیاں ہوتا ہے مثلاً مادہ "بطل" کے تحت بغیر ولی کے نکاح

۱۳۳؎ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۸۹ تا ۱۹۰ بحوالہ "اخبار الاخیار"

کرنے والی عورت کے نکاح باطل ہونے کے متعلق لکھتے ہیں :

"قد اضطرفیہ الحنفیۃ فتارۃ یتجاسرون بالطعن فی سندہ من غیر مطعن" [134]

یعنی "اس حدیث کے بارے میں علمائے حنفیہ بڑے مجبور ہوئے ہیں، کبھی بلاوجہ ہی اس حدیث کی سند پر طعن کی جسارت کرتے ہیں حالانکہ یہ سند قطعی طور پر اسباب طعن سے خالی ہے"۔

اسی طرح مادہ "قطر" کے تحت "توضأ وعلیہ عمامۃ قطریۃ" کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"وفیہ ابقاء العمامۃ حال الوضوء وھو یرد علی کثیر من الموسوسین ینزعون عمائمھم عند الوضوء وھو من التعمق المنھی عنہ وکل خیر فی الاتباع وکل شر فی الابتداع" [135]

یعنی "اس حدیث میں حالت وضو میں پگڑی سر پر رکھے رہنے کا ثبوت موجود ہے اور اس میں بہت سے ایسے لوگوں کی تردید بھی موجود ہے جو وسواس کا شکار ہیں اور وضو کے وقت اپنی پگڑیوں کو اتار دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تکلف ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ تمام خیر اتباع ہی میں مضمر ہے اور تمام شر بدعت میں ہے"۔

جمود اور تقلیدی غلو سے آزاد ہونے کے باوجود آں رحمہ اللہ بعض مقامات پر فقہ حنفی کے وکیل اور بعض مقامات پر اس دور میں شائع متصوفانہ نظریات کے قائل وحامل بھی نظر آتے ہیں لیکن یہاں ان کی تفصیلات کا

---

[134] مجمع بحار الانوار ۱/ ۹۹ ، [135] نفس مصدر ۳/ ۱۵۶

بیان کرنا طولِ محض کا باعث ہوگا۔

گیارہویں صدی ہجری کے بعض علماء اور انکی علمی خدمات

گیارہویں صدی ہجری میں شیخ علم اللہ بیجاپوری رحمہ اللہ (م ۱۰۲۴ھ)، قاضی نصیر الدین برہان پوری رحمہ اللہ (م ۱۰۳۱ھ)، شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ، صاحب مکتوبات امام ربانی، در لاثانی، مبدأ و معاد، رد روافض)، شاہ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ، صاحب اللمعات شرح مشکوٰۃ بزبان فارسی، التبیان فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ، اخبار الاخیار، مدارج النبوۃ، جذب القلوب)، خواجہ خاوند معین الدین بن خواجہ خاوند محمود المعروف بحضرت الشان[136] (م ۱۰۵۲ھ) خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری[137] (م ۱۰۵۶ھ)، شیخ عبدالحلیم بن شمس الدین[138] سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ، صاحب حواشی شرح المواقف، تفسیر بیضاوی، مقدمات التوضیح المطول)، شاہ نور الحق بن عبدالحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ، صاحب تیسیر القاری شرح صحیح البخاری رحمہ اللہ بزبان فارسی، لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ بزبان عربی، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ بزبان فارسی، رسالہ اسناد حدیث و اسماء الرجال)، شیخ خازن الرحمت رحمہ اللہ بن شیخ احمد سرہندی، شیخ محمد سعید رحمہ اللہ (محشی مشکوٰۃ)، شیخ سلام اللہ رحمہ اللہ (شارح موطا)، شیخ ہاشم، شیخ رضی الدین علی محمد، شیخ ابوالبرکات ولی الدین[139]، شیخ ابوالسیادت کمال الدین[140]، محمد حیدر دہلوی[141]

۱۳۶ھ مقالات سید سلیمان ندوی ۲/۲۵ ۱۳۷ھ رسالہ برہان دہلی مجریہ مارچ ۱۹۵۸ء

۱۳۸ھ نفس مصدر ص ۱۶۱ مجریہ ماہ مارچ ۱۹۵۴ء ۱۳۹ھ نفس مصدر ص ۱۵۷ مجریہ

محمد حسین خانی نقشبندی (تلمیذ شاہ عبدالحق محدث دہلوی[142])، شاہ طیب نصر آبادی اور شیخ ابوالرضا محمد[143] (م ۱۱۰۰ھ)، تایا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) وغیرہ کا دور آتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں خالص علوم شریعت کو اعلا پیمانہ پر فروغ نہ مل سکا۔ اگر اس دور میں کسی چیز کی تبلیغ و اشاعت بڑے پیمانہ پر ہوئی تو وہ یا تو تصوف تھا یا پھر تصوف و شریعت دونوں کا معجون مرکب۔

ذیل میں اس دور کی چند اہم شخصیات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

قاضی نصیر الدین برہانپوریؒ: قاضی صاحب ایک مشہور فقیہ و محدث تھے، حدیثِ نبوی پر کسی کے قول کو ترجیح نہ دیتے تھے چنانچہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شیخ علم اللہ بیجاپوری نے کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے قول سے استدلال کیا تو ان کے داماد قاضی نصیر الدین برہانپوری نے ان کے مقابلہ میں حدیث پیش کی ـــ مباحثہ چلتا رہا، شیخ علم اللہ نہ مانے تو قاضی صاحب نے زِچ ہو کر فرمایا "ھو رجل وانا رجل" یعنی امام ابو حنیفہؒ بھی ایک انسان تھے اور میں بھی انسان ہوں۔ اصل شے جو ہم سب کے لیے قابل حجت ہے وہ سنتِ رسول ہے۔ یہ سن کر شیخ علم اللہ نے انتہائی غصہ کے عالم میں تلوار سونت لی اور اپنے داماد کو قتل کرنے

۱۵۸ ماہ مارچ ۱۹۵۴ء [140] عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ ص ۳۹ [141] رسالہ برہان دہلی ماہ مارچ ۱۹۵۴ء [142] فوائد جامعہ ص ۳۹، [143] تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۶۲

کے ارادہ سے ان کے پیچھے دوڑے ۔قاضی صاحب نے بہ مشکل بھاگ کر ان سے جان بچائی"[۱۴۴]

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ:

شیخ احمد سرہندیؒ کے متعلق محی السنہ علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالیؒ "ابجد العلوم" میں فرماتے ہیں: "قد کان من کبراء المحدثین بالھند" یعنی "ہندوستان کے اکابر محدثین میں سے تھے!!

مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شمائل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوگئی"۔[۱۴۵]

اسی طرح انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی پاکستان کے موسس و امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مجدد الف ثانیؒ کی مدح میں بیان کرتے ہیں:

"حضرت مجددؒ کی تجدیدی مساعی کا اصل رخ تصحیح عقائد، رد بدعات، التزام شریعت اور اتباع سنت کی جانب تھا اور اس ضمن میں انھوں نے رائج الوقت علمی و نظری اور اخلاقی و عملی ہر نوع کی گمراہیوں اور ضلالتوں پر بھرپور تنقید کی چنانچہ تردید شیعیت پر بھی نہ صرف

---

[۱۴۴] مآثر رحیمی بحوالہ فقہائے ہند ج ۴ حصہ دوم ص ۲۵۴، ۳۸۳، [۱۴۵] مقالات سید سلیمان ندوی ۲/ ۳۷۔

یہ کہ ان کے مکاتیب میں بہت زور ہے بلکہ "ردّ روافض"[146]
کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی انھوں نے تحریر فرمایا الخ"

علامہ اقبال بھی حضرت مجدد الف ثانی رح کی شان میں فرماتے ہیں ؎

"حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ احمد سرہندی رح، جنھیں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رح وغیرہ نے ہندوستان کے اکابر محدثین میں شمار کیا ہے، اصلاً ایک صوفی منش آدمی تھے۔ فلسفہ "وحدۃ الوجود" کے مقابلے میں نظریہ "وحدۃ الشہود" کی تدوین و ترویج صوفیاء کے نزدیک ان کا بڑا اہم کارنامہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی شدید مقلدانہ روش انھیں شان محدثیت سے بہت فروتر لا کھڑا کرتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کے مکاتیب میں رد بدعات، تصحیح عقائد اور رد روافض پر بھی کافی زور نظر آتا ہے لیکن چونکہ اس دور میں تصوف اور شریعت کے مرکب کو ہی اصل اسلام سمجھا جانے لگا تھا لہذا مجدد الف ثانی بھی اپنے آپ کو تصوف کی نظریاتی یلغار سے محفوظ نہ رکھ سکے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے مکاتیب اور مبدأ و معاد کو بغور دیکھا اور پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان میں متصوفانہ نظریات کی آمیزش کس قدر ہے۔ نظریہ "وحدۃ الشہود" کی ترویج و اشاعت کے

146ھ ماہنامہ حکمت قرآن لاہور ج٦ عدد ٢ ص ٤٤

لیئے آپ نے جو کام کیا ہے اس کے پیش نظر ہی راقم نے ان کو صوفیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کے متبع و مبلغ سنت بلکہ محدث کبیر ہونے کا دھوکہ دراصل ان کے مکاتیب کی ان بعض عبارتوں سے ہوا ہے جن میں مذکور ہے :

"کلام محمد عربی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین ابن عربی و صدر الدین قونوی و عبدالرزاق کاشی۔ مارا بہ نص کار است نہ بفص، فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔"[۱۴۷]

یعنی "ہمیں محمد عربی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد درکار ہے، محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی وغیرہ کا کلام نہیں۔ ہم کو شرعی نص سے سروکار ہے نہ کہ "فصوص الحکم" سے کہ فتوحات مدنیہ نے ہمیں "فتوحات مکیہ" سے مستغنی کر دیا ہے"!

اسی طرح خواجہ محمد ہاشم کشمیری، مولانا محمد اسحاق بھٹی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب شیخ احمد سرہندی سے خود فریضہ امامت انجام دینے کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب دیا :

"شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کے بغیر نماز درست نہیں ہے لہٰذا وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں اور صحیح احادیث بھی اس پر دلالت کناں ہیں لیکن ہمارے امام، امام ابو حنیفہ امام کی

---

۱۴۷ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر اوّل ص۲۰۵، رقم مکتوب ۱۰۰ بنام ملا حسن کاشمیری۔

فاتحہ کو مقتدی کی فاتحہ قرار دیتے ہیں اور امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے اور جمہور فقہائے حنیفہ بھی اس پر عمل کرتے ہیں مگر احناف سے بعض منقول روایات فاتحہ خلف الامام کے جواز کے متعلق بھی موجود ہیں تاہم جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم ممکن حد تک تمام مذاہب فقہیہ میں عملی تطابق کی کوشش کرتے ہیں اس لیے اس معاملے میں ہمارے نزدیک جمع و تطابق کی یہی صورت ہے کہ خود فریضۂ امامت انجام دیں۔"[148]

آگے چل کر خواجہ محمد ہاشم بصراحت فرماتے ہیں کہ :

"و فاتحہ خلف الامام ہمی خواند و آں را مستحسن شمر دند"[149]

یعنی "آپ فاتحہ خلف الامام پڑھتے تھے اور اسے مستحسن شمار کرتے تھے۔"

لیکن ہمیں ان شہادتوں کو قبول کرنے میں قدرے تأمّل ہے جس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کسی صاحبِ قلم کے مجموعہ مکاتیب کو دنیائے تحقیق میں باعتبارِ صحت وہ مقام حاصل نہیں ہوتا جو کہ اس کی اپنی کسی مستقل تصنیف کو ہوتا ہے۔ کیونکہ مکاتیب کا وہ مجموعہ اس کا اپنا جمع کردہ نہیں بلکہ کسی دوسرے عقیدت مند کی مساعی کا نتیجہ ہوتا ہے لہٰذا کسی مجموعہ مکاتیب میں جمع شدہ جملہ مکاتیب کی صحت پر صد فی صد اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اسی صاحبِ قلم کی تحریر ہے۔ اس میں

---

[148] زبدۃ المقامات ص۔ ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۹۰، فقہائے ہند مؤلفہ محمد اسحاق بھٹی ج۴ حصہ اوّل ص۱۱۱۔۱۱۲، تاریخ دعوت و عزیمت ۱۷۶/۴ بحوالہ "حضرات القدس" للمولوی بدر الدین سرہندی

[149] زبدۃ المقامات ص۲۰۹

ایک دوسری بڑی خامی یہ ہوتی ہے کہ مکاتیب کا وہ دفتر اس صاحب قلم کی تہذیب و نظر ثانی سے محروم رہنے کے باعث ظاہری حسنِ تحریر سے بھی خالی رہتا ہے، چنانچہ اس کے بعد ترتیب دیئے جانے والے اس مجموعہ کو اس کی فکر کا محور و ترجمان قرار دینا سراسر بے انصافی کی بات ہے، بالخصوص اس حالت میں جبکہ خود اس صاحبِ قلم کی اپنی کسی مستقل تصنیف میں مکاتیب میں پیش کیئے گئے مواد کے خلاف مواد موجود ہو۔

جہاں تک فاتحہ خلف الامام کے قائل ہونے کے متعلق خواجہ محمد ہاشم وغیرہ کی شہادت سے شیخ احمد سرہندی کے متبع سنت ہونے کا نتیجہ اخذ کرنے کا سوال ہے تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ صرف اس ایک یا دو چار سنتِ نبوی پر عمل کر لینا ہی متبع و مبلغ سنت یا محدث کبیر کہلانے کے لیئے کافی نہیں ہے، پھر کتنے ہی صوفیاء گزرے ہیں جنھوں نے فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھا ہے۔ اگر صرف ایک فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ کو ہی اتباع و تبلیغِ سنت یا محدث ہونے کا معیار سمجھا جائے تو شیخ محمد بن احمد بدایونی ثم دہلوی (المعروف بہ نظام الدین اولیاء[۱۵۰]، سلطان

---

[۱۵۰] سید عبدالحی فرماتے ہیں: "انہ کان حنفیا ولکنہ کان یجوز القرأۃ بالفاتحۃ خلف الامام وکان یقرؤھا فی نفسہ۔" (نزہتہ الخواطر) یعنی "وہ حنفی تھے مگر فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے اور اسے اپنے دل میں پڑھتے تھے۔" مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں: "مشہور بات ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء حدیث ہی سے متاثر ہو کر باوجود سخت حنفی ہونے کے قرأت خلف الامام کرتے تھے۔ ایٹھی اودھ کے ایک مرکزی بزرگ صوفی شیخ فیاض جن کا شاید آئندہ بھی ذکر آئے گا، بدایونی =

المشائخ وسلطان الاولیاء)، شیخ حسین بن احمد بخاری (المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۱۵۱ھ)، شیخ فیاض ۔ اسیٹھوی، مخدوم الملک شاہ شرف الدین یحییٰ منیری، شاہ عبدالرحیم ۱۵۲ھ (والد شاہ ولی اللہ دہلوی) اور شیخ عبدالباقی نقشبندی ۱۵۳ھ وغیرہ تمام صوفیاء کو صوفی نہیں بلکہ متبع

= نے ان کے متعلق بھی لکھا ہے، بجنسہٖ یہی بات ہندی تصوف کے دوسرے رکنِ رکین حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ بھی حدیث ہی کے زیر اثر فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتے تھے۔ (پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۱/۱۳۵) "فوائد الفواد" میں مذکور ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء عام حنفی مسلک کے خلاف غائبانہ نماز جنازہ کے بھی قائل تھے (فوائد الفواد مترجم، بیسویں مجلس ص ۲۹۱) لیکن حنفیہ کے ان چند فقہی مسائل سے اختلاف کرنا خواجہ موصوف کے تبعِ سنت یا محدث ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ۱۵۱ھ شیخ عبدالحئی وغیرہ نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے متعلق لکھا ہے: "کان یجوز القرأۃ خلف الامام" (نزہۃ الخواطر ۲/۲۹ وکذا فی الدر المنظوم (فی احوال الشیخ حسین بن احمد المخدوم) ۲/۲۶۶-۲۶۷) یعنی وہ فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے۔" ۱۵۲ھ شاہ عبدالرحیم کے متعلق ان کے گھر کی شہادت کے طور پر شاہ ولی اللہ کا یہ قول پیش ہے: "در اقتداء سورہ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز" (انفاس العارفین ص ۶۹) یعنی "امام کی اقتداء میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور نماز جنازہ میں بھی۔" ۱۵۳ھ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ۵/۱۹۹، تاریخ دعوت و عزیمت ۴/۱۴۶۔ ان صوفیاء کے علاوہ کبار فقہاء و علمائے حنفیہ میں سے امام محمد، احمد بن حفص المعروف با بوحفص کبیر، عبدالرحیم المعروف بشیخ التسلیم، شیخ نظام الدین الہروی، رکن الدین علی السغدی، ابومنصور ماتریدی (فی التفسیر میں) قاضی الدبوسی (فی الاسرار میں) =

ومبلغِ سنت بلکہ "محدث کبیر" قرار دینا پڑے گا کہ یہ تمام حضرات بھی فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے۔

اب ذیل میں ہم شیخ احمد سرہندیؒ کے فاتحہ خلف الامام کے قائل ہونے کے دعویٰ کی حقیقت اور اس سلسلہ میں پیش کی گئی شہادتوں کا تجزیہ پیش کریں گے:

ہمارا دعویٰ ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ نہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور نہ ہی اسے مستحسن سمجھتے تھے کیونکہ پیش کردہ شہادت کو بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف کو اس بارے میں وارد صحیح احادیث کا اعتراف ہونے کے باوجود ان پر عمل کرنا گوارا نہ تھا، ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ مقتدی کے بجائے ہمیشہ امام بننے کو ترجیح دیا کرتے

= ابوبکر الرازی (نے شرح مختصر الطحاوی میں) ملا علی قاری (نے مرقاۃ ۲/۳۰۱ میں)، بدرالدین عینی (نے عمدۃ القاری ۶/۱۱ اور البنایہ شرح ہدایہ ۱/۷۱۲ میں) ملا جیون (نے تفسیر احمدی ص۲۷۴ مطبوعہ کریمی بمبئی میں)، ابن ہمام (نے فتح المنظار شرح الموطأ قلمی ورق ص۴۰ میں)، شاہ ولی اللہ (نے حجۃ اللہ البالغہ ۲/۹ میں)، شاہ عبدالعزیز دہلوی (نے اپنے فتویٰ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۳۷۴ھ میں)، شاہ اسماعیل شہید (نے تنویر العینین ص۲۹ میں)، انور شاہ کشمیری (نے فصل الخطاب مع الکتاب المستطاب ص۲۹۸ اور العرف الشذی ص۱۴۷ میں)، شیخ احمد جونپوری (ترجمہ در نزہۃ الخواطر ۶/۲۷۲)، شیخ احمد امیٹھوی (نفس مصدر ۴/۳۱-۳۲)، شیخ محمد رشید جونپوری (نفس مصدر ۵/۳۶۹) شیخ حسن عجمی (مسک الختام ۱/۳۸۱)، مرزا حسن علی لکھنوی (نفس مصدر ۱/۲۱۹)، مولانا عبدالحئی لکھنوی (نے السعایہ ۲/۳۰۲، غیث الغمام ص۲۱۵، امام الکلام ص۲۱۵ اور =

تھے کہ امام بننے کی صورت میں فاتحہ خلف الامام کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی ــــ معاف فرمائیے! راقم کے نزدیک تو یہ ترکِ سنت کا ہی ایک حیلہ ہوا کہ نہ کبھی مقتدی بنیں گے اور نہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی پڑے گی۔ اگر شیخ موصوف کو اس سنت نبوی سے محبت ہوتی یا آپ اس کی اتباع کے شیدائی ہوتے تو امامت کے بجائے مقتدی بننے کو ہی ترجیح دیتے تاکہ امام کے پیچھے اس سنتِ رسول پر عمل پیرا ہو سکیں، لیکن یہاں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ پھر شیخ موصوف کا اپنے مقتدیوں میں سے کسی کو اپنے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی تلقین کرنا بھی منقول نہیں ہے ــــ پس معلوم ہوا کہ اتباع و احیاء سنت کے مقابلہ میں شیخ موصوف کو حنفیت کی آن کی زیادہ فکر لاحق تھی، واللہ اعلم۔

جہاں تک اس سلسلہ میں پیش کردہ دوسری شہادت کا تعلق ہے تو وہ بھی ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے کیونکہ اول الذکر شہادت میں خواجہ صاحب نے شیخ موصوف کے متعلق فاتحہ خلف الامام سے بچنے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ وہ خود امامت فرمایا کرتے تھے جبکہ دوسری شہادت میں شیخ موصوف کا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اور اسے مستحسن شمار کرنا بیان

= التعلیق الممجد ص ۹۹ میں)، مولانا نور محمد ملتانی (نے تذکرۃ المنتہی فی رد اسکات المعتدی میں)، اسی طرح الافادات علی رد الاسکات، التنبیہات علی ہفوات الاسکات اور الایماضات علی اغلاط مصنف الاسکات لملا شعیب کابلی وغیرہ میں بھی فاتحہ خلف الامام کا جواز و استحسان بیان کیا گیا ہے تو کیا ان حضرات کو بھی محض اس سنت کے قائل ہونے کی بنا پر مقلدین کے بجائے متبعینِ سنت یا محدث قرار دیا جا سکتا ہے؟

کیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شیخ موصوف قصداً و عمداً خود امامت فرمایا کرتے تھے تو امام کے پیچھے انھیں فاتحہ پڑھنے کی حاجت کیسے پیش آسکتی ہے؟ یہ تضاد نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر بعض مکاتیب کی بنیاد پر دوسرے اور تیسرے درجہ کی ان شہادتوں کو درست تسلیم کر لیا جائے اور محض اسی ایک یا چند دوسرے مسائل میں سنت نبوی کی اتباع کے باعث شیخ موصوف کو محدث مان بھی لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان کی اپنی خود نوشت اور مستقل تصانیف کے مندرجہ ذیل اقتباسات کی کیا توجیہ پیش کی جاسکتی ہے؟

"اس فقیر کو بھی اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے سے بعض اوقات یہ حالت پیش آئی ہے اور میں نے ملائکہ کو عین سجود کی حالت میں پایا ہے جو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے کہ اب تک انھوں نے سجدہ سے سر بھی نہیں اٹھایا تھا اور ملائکہ علیین کو جنھیں سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا تھا ان سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا کہ وہ اپنے مشہود میں فنا و غرق ہیں اور وہ تمام حالات جن کا آخرت میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ سب اسی آن میں دکھائی دیئے چونکہ اس واقعہ پر ایک مدت گزر گئی ہے اس لیے میں نے احوال آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی کیونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں رہا ہے۔"[154]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان سطور میں چند قابلِ غور نکات یہ ہیں:

(۱) ملائکہ کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا مشاہدہ ظاہر ہے کہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے کہ جو حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قبل موجود ہو، تو کیا یہ مان لیا جائے کہ شیخ موصوف حضرت آدمؑ سے قبل بھی موجود تھے؟ ایسی صورت میں ان کا بنی آدم نہ ہونا لازم آئے گا۔ اگر وہ بنی آدم ہی تھے تو کیا مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ حضرت آدم کو ملائکہ کے سجدہ کرنے والے واقعہ کی کوئی فلم تیار کر رکھی تھی جو بعد میں شیخ موصوف کو دکھائی گئی تھی؟

۲۔ اگر نہ شیخ موصوف حضرت آدم سے قبل موجود تھے اور نہ اللہ عزّ وجل نے واقعہ مذکورہ کی کوئی فلم تیار کر رکھی تھی تو صرف یہ امکان باقی رہ جاتا ہے کہ ملائکہ تخلیق آدم کے زمانہ سے شیخ احمد سرہندی کے زمانہ تک سجدہ کی حالت ہی میں پڑے رہے ہوں۔ اگر اس بات کو درست مان لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ حضرت جبریلؑ حالت سجدہ میں ہونے کے باوجود انبیاء تک وحی الٰہی کیسے لاتے رہے؟ ملک الموتؑ حالت سجدہ میں تمام ذی روح کی ارواح کس طرح قبض کرتے رہے؟ اور میکائیلؑ حالت سجدہ میں اپنی ذمہ داری کس طرح انجام دیتے رہے؟ وعلیٰ ہذا القیاس۔[154]

۳۔ قرآن بتاتا ہے کہ "فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون"[155] یعنی "پس سجدہ کیا فرشتوں نے اور سب کے سب نے"۔ لیکن شیخ سرہندی قرآن کو جھٹلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سب فرشتوں نے سجدہ نہ کیا تھا بلکہ علیین والے فرشتے ساجدین میں شامل نہ تھے، فنعوذ باللہ۔

شیخ موصوف کا صرف یہ اقتباس ہی انھیں وحدت الشہود اور فنا فی اللہ کا علمبردار ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو حضرات شیخ احمد سرہندی کو ان کے

---

[154] مبدأ و معاد مصنفہ احمد سرہندی ترجمہ مولانا زوّاری ص ۱۸۸-۱۸۹، [155] سورۃ الحجر – ۳۰، سورہ ص ۷۳

بعض مکاتیب کی روشنی میں موحد و محدث ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے دعوتِ فکر کے طور پر شیخ موصوف کے مکاتیب سے ہی ایک اور اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے ان کے محدث ہونے کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ فرماتے ہیں :

"وزمین وزمان را بطفیل او خلق فرمودہ است کما ورد باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشأۂ عنصری از نور حق جلّ وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام خلقت من[156] نور اللہ و دیگران را این دولت میسر نشدہ است"[157]

یعنی "اور زمین و آسمان کو انہی کے طفیل پیدا فرمایا ہے۔ کما ورد. جاننا چاہیئے کہ پیدائش محمدیؐ تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: خلقت من نور اللہ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں آئی"!

156ھ اس حدیث کے بطلان کے لیے راقم کے مضمون "حقیقت محمدیہ اور نور محمدی کی حقیقت" مطبوعہ در مجلہ "محدث" لاہور ج ۱۸ عدد ۳-۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۸۷ء تا فروری ۱۹۸۸ء نیز "مجموعہ مقالات عزیری" ۱/۱۰-۳۱ (مخطوط) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ 157ھ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم حصہ نہم مکتوب ۱۰۰ ص ۷۴-۷۵۔

شیخ احمد سرہندی کی مقلدانہ شدت کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی یہ شہادت بھی ہدیۂ قارئین ہے :

"باایں ہمہ حضرت مجدد کے یہاں بھی حنفیت میں غلو اسی شدت کے ساتھ موجود ہے جو مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کا جزد لاینفک ہے" [۱۵۸]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی :۔

اسی دور کی ایک اور اہم شخصیت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ سرزمین ہند میں علم حدیث نبوی کا پودا لگانے کی خدمت حضرت محدث نے سرانجام دی تھی، چنانچہ مسلک اہل حدیث کے سرخیل نواب صدیق حسن خاں بھوپالی فرماتے ہیں :

"یہ جان لو کہ جب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا اس وقت یہاں علم حدیث موجود نہ تھا بلکہ کبریت احمر کی طرح پردیسی اور عنقا کی طرح ناپید تھا۔ اکثر مسلمان علوم قرآن و سنت کے ساتھ اعراض و تغافل برتتے اور قدیم زمانہ کے فنون فلسفہ نیز حکمت یونان کو فروغ دیتے تھے، البتہ کچھ فقہ کا درس دینے والے ضرور موجود تھے، چنانچہ اس دور تک آپ ان کو علوم شریفہ سے قطعاً عاری پائیں گے۔ آج بھی ان کا زیور تحقیق کے بجائے تقلید کے طریقہ پر یہی فقہ حنفی ہے، الا ما

---

[۱۵۸] ماہنامہ حکمت قرآن لاہور ج ۱ ۔ بدد ۲ صفحہ ۴۶ ۔

شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی باعث یہ فقہی تقلید ایک نسل کے بعد اگلی نسلوں تک وراثت کے طور پر منتقل ہوتی رہی۔ اور فتاویٰ و روایات کی بہتات ہوگئی، جن پر تقلیدی اعتبار سے محکم نصوص کو چھوڑتے ہوئے عمل کیا جاتا تھا۔ سید البریات کی سنن پر دسی ہوگئی تھیں۔ تعلیم فقہ کو حدیث کے اوپر ترجیح دی گئی، اور مجتہدات کی تطبیق سنن کے ساتھ کی جانے لگی اور اس پر ایک زمانہ بیت گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس علم کو فروغ دینے کے لیے شیخ عبد الحق بن سیف الدین الترک الدہلوی م ۱۰۵۲ھ وغیرہ کو مفوض کیا گیا۔ آپ وہ پہلے شخص تھے جو اس علاقہ میں آئے اور اپنے مکان کو اچھی طرح مسند درس بنایا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ نور الحق م ۱۰۷۳ھ اور ان کے کچھ تلامذہ ...... پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیخ الاجل، محدث الاکمل، ناطق وحکیم وقت، اس طبقہ کے افق وزعیم شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم الدہلوی م ۱۱۷۶ھ کو بھیجا پھر ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اس علم کی نشر واشاعت کے لیے مقرر فرمایا جن کے ذریعہ دوربھگایا ہوا علم حدیث مرغوب چیز بن کر لوٹا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے علوم سے بہت سے مومنوں کو نفع بخشا شرک وبدعات اور دین میں محدثات الامور کے فتنوں کی تردید میں ان کی مساعی کو مشکور فرمایا۔ پھر ان سے مستفید ہونے والے علماء نے علم سنت کو دوسرے علوم پر ترجیح دینا شروع کیا اور فقہ کو اس کا تابع د

محکوم بنا دیا۔" الخ [159]

مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

"حج سے واپسی کے بعد ۵۲ برس تک استقلال و دلجمعی کے ساتھ درس و تدریس کے مشغلہ میں منہمک رہے، اپنے فرزندوں اور دوسرے طلباء کو پڑھانے علوم و فنون بالخصوص حدیث کی ترویج و اشاعت کا کام انجام دیتے رہے۔ انہوں نے تعلیم و تدریس کا نیا انداز اور ایسا نہج اختیار کیا جس کو ممالک عجم کے متقدمین و متاخرین علماء نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا اور ان کا طریقۂ درس امتیازی خصوصیات کا حامل تھا اور مدرسہ عام مدرسوں سے ممتاز و مستثنیٰ تھا۔" [160]

مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :

"اکبر کے آخری عہد میں وہ بزرگ ہستی نمایاں ہوئی جس نے عہد جہانگیری میں اپنی جہانگیری کا سکہ بٹھا دیا اور جس نے دہلی کے شاہی دار السلطنت کو ہمیشہ کے لیے علوم دین کا دار السلطنت بنا دیا۔" [161]

پروفیسر خلیق احمد نظامی جنہوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ ہندوستانی صوفیاء کے حالات پر تحقیق و تالیف میں گزارا ہے، فرماتے ہیں :

"علوم دینی جن پر عرصہ سے مردنی چھائی ہوئی تھی اس کی مسیحائی سے جلا پا گئے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں دعوت و اصلاح کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ خود اس نے اپنی زندگی کا واحد مقصد احیاء علوم دین اور ترویج شریعت کو قرار دیا۔" [162]

---

[159] الحطۃ للنواب صدیق حسن خاں ص ۷۰۔ [160] مآثر الکرام ۱/ ۲۱۰۔ [161] مقالات سید سلیمان ندوی ۲/ ۲۳۔ [162] حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۲۰۔

پروفیسر موصوف مزید فرماتے ہیں :

"شیخ محدث کا یہ دار العلوم اس طوفانی دور میں شریعتِ اسلام اور سنتِ نبوی کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا۔ مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف منڈلائے، مخالف طاقتیں بار بار اس دار العلوم کے بام و در سے آکر ٹکرائیں لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ ان کے عزم و استقلال نے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا ہے۔"[۱۶۳]

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی دینی خدمات کے سلسلہ میں ان سب حضرات کے ہم خیال نظر آتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں :

" اور واقعہ یہ ہے کہ یہی حضرت محدث کی اصل خدمت (CONTRIBUTION) ہے کہ انہوں نے علم حدیث کا پودا سرزمین ہند میں لگایا اور حدیث رسول کی باقاعدہ درس و تدریس کا بھی آغاز کیا اور اس کے متعلق تصنیف و تالیف کا بھی۔" انتہی[۱۶۴]

یہ سب درست ہے کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے ہندوستان میں کئی صدیوں بعد علم حدیث کی باقاعدہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں تصنیفات کی داغ بیل ڈالی تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آں رحمہ اللہ مجتہد نہیں بلکہ ایک مقلد اور صوفی بزرگ تھے۔ " التبیان فی اُدلۃ مذہب الامام أبی حنیفۃ النعمان " آپ کی مقلدانہ ذہنیت کی عکاس اور " مدارج النبوۃ "

---

۱۶۳ ؎ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۱۲۶ ۔ ۱۶۴ ؎ ماہنامہ حکمت قرآن لاہور جلد ۶ عدد ۲ ص ۴۶ ۔

نیز "اخبار الاخیار" آپ کے متصوفانہ افکار کی شاہکار تصانیف ہیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی صوفیانہ تعلیم و تربیت کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں جس وقت حرمین شریفین کی زیارت کے مقصد سے اس دیار (گجرات) میں پہنچا تو یہاں مجھے شیخ وجیہ الدین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور میں نے ان سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے کچھ اشغال و اذکار سیکھے"۔[165]

اور پروفیسر خلیق احمد نظامی جو شاہ عبدالحق صاحب کو ایک محدث سے زیادہ صوفی سمجھتے ہیں لکھتے ہیں:

"تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ (حجاز کے) علماء کرام سے حاصل کئے، خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات و ترقیٔ درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا"۔[166]

آپ کے صوفی اور مقلد ہونے کا اعتراف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بایں الفاظ کیا ہے:

"چنانچہ وہ صوفی بھی تھے اور خواجہ باقی باللہؒ کے مرید بھی، لیکن اس کے باوجود کہ انھیں بھی وحدت الوجود سے بعد تھا (مگر) وہ اس کی تردید میں اس درجہ سرگرم نظر نہیں آتے۔ اسی طرح وہ حنفی بھی تھے لیکن متشدد نہیں بلکہ فقہ حنفی کا رشتہ حدیث رسول کے ساتھ جوڑنے کی سعی اولاً انہی سے

---

165 اخبار الاخیار ص۱۵۳۔ 166 حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص۱۱۱۔

شروع ہوئی"۔ الخ ١٦٧

لیکن راقم کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو "وحدت الوجود" سے بُعد تھا، یا یہ کہ وہ متشدد حنفی نہ تھے۔ شاہ صاحب کے وجودی نظریات پر تو بحث آگے پیش کی جائے گی، فی الحال "فقہ حنفی کا رشتہ حدیث رسول کے ساتھ جوڑنے کی سعی" کی ابتداء کے خوشنما الفاظ کی حقیقت جان لیں۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ عبدالحق صاحب جن احادیث نبوی کو فقہ حنفی کے خلاف پاتے تھے ان کی تاویل کی راہ اختیار کرتے تھے، آپ کے الفاظ ہیں:

"إنا قرأنا أولاً الفقه الحنفي أصولاً وفروعاً ثم اشتغلنا بالصحاح الستة من كتب الحديث فوجدنا فيها روايات كثيرة تخالف فقهنا الذي قرأناه فرأينا الفقهاء المحدثين من الحنفية مختلفين في أمر ذلك، طائفة منهم تؤول الأحاديث الصحيحة إلى أقوال الفقهاء وآراء إمامهم، منهم في بلادنا الشيخ عبد الحق الدهلوي المحدث بل وعامة أهل بلادنا"۔ ١٦٨

یعنی "ہم نے پہلے اصولاً وفروعاً فقہ حنفی کو پڑھا پھر کتب حدیث میں صحاح ستہ سے اشتغال کیا۔ پس ہم نے اس میں بہت سی روایات کو اپنے فقہ کہ جسے ہم نے پڑھا تھا کے خلاف پایا۔ پس ہم نے حنفیہ میں سے فقہاء محدثین کو بھی اس بارے میں مختلف دیکھا۔ ان میں سے ایک جماعت احادیث صحیحہ کی فقہاء کے اقوال اور اپنے امام کی آراء کے مطابق تاویل کرتی ہے۔

---

١٦٧ ماہنامہ حکمت قرآن لاہور ج ٦ عدد ٢ ص ٤٦ ۔ ١٦٨ الہام الرحمن فی تفسیر القرآن ص ١٢٩ ۔

ان (حنفی فقہاء، محدثین) میں سے ہمارے ملک میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں بلکہ ہمارے ملک کی عام اکثریت بھی اسی بات کی قائل ہے"۔

شاہ صاحب کی مقلدیت کی شدت کا اندازہ ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں:

"وایں سخن نافع و مفید است در غرض از شرح ایں کتاب کہ اثبات و تائید مذاہب ائمہ مجتہدین است خصوصاً مذہب حنفی و غرض شیخ ابن ہمام نیز ہمیں است"۔[169]

یعنی "اس کتاب (سفر السعادۃ للفیروز آبادی) کی شرح کی غرض کے بارے میں یہ بات نفع بخش اور مفید ہے کہ (اس شرح سے) ائمہ مجتہدین کے مذاہب بالخصوص مذہب حنفی کی تائید و اثبات مقصود ہے اور یہی شیخ ابن ہمام کی غرض بھی ہے"۔

کیا اب بھی کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب راہ اعتدال پر تھے؟ اب ذیل میں شاہ صاحب کی تصانیف سے ان کے صوفیانہ عقائد کے شواہد پیش خدمت ہیں، فرماتے ہیں:

"حضور کی شان اولیت: اب رہا یہ امر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم صفت "اوّل" کیسے ہے؟ تو یہ اوّلیت اسی بناء پر ہے کہ آپ کی تخلیق موجودات میں سب سے اول ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "أوّل ما خلق اللہ نوری" اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔

۲۔ یہ کہ آپ مرتبۂ نبوت میں بھی اول ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے: "کنتُ

---

[169] شرح سفر السعادۃ ص۱۵۔

نبیا وإن آدم لمنجدل فی طینتہ" (میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم اپنے خمیر میں ہی تھے۔) [170]

اور

"ہر شے کے جاننے والے: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (وہی ہر شے کا جاننے والا ہے) کا ارشاد بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیئے ہے کیوں کہ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (ہر صاحب علم کے اوپر اور زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ ہی میں موجود ہیں علیہ من الصلوات أفضلها ومن التحیات أنمها وأكملها۔" [171]

اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے من گھڑت فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نقل است کہ چوں وی متولد شد در نہار رمضان از پستان مادر شیر نمی خورد و در مردم شہرت گردید کہ در خانہ بعضے از اشراف پسری متولد شدہ است کہ در روز رمضان شیر نمی خورد۔" [172]

یعنی "روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے حتی کہ سب میں مشہور ہوگیا کہ بعض اشراف کے گھر میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔"

پھر شیخ جیلانی کے لڑکپن کے زمانہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

---

[170] خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ ص۲۔ [171] نفس مصدر ص۳۔ [172] اخبار الاخیار ص۱۶۔

"نقل است کہ از آں حضرت پرسیدند از کجا بازشناختی تو خود را کہ ولی خدائی فرمود کہ دہ سالہ بودم کہ از خانہ بسوی مکتب می برآمدو در راہ فرشتگان می دیدم کہ گرداگرد من می رفتند و چوں بمکتب می رسیدم می شنیدم کہ صبیان را می گفتند فراخ کنید جای را بر ولی خدا"۔ [۱۶۳]

یعنی "منقول ہے کہ شیخ عبدالقادر سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی ہیں۔ فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی جب میں مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے اردگرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مدرسہ پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کردو"۔

جب شیخ عبدالقادر جیلانی وعظ فرمانے لگے تو ان کی مجالسِ وعظ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرمودہ اند کہ جمیع اولیاء و انبیاء احیاء باجساد و اموات بارواح و جن و ملائکہ در مجلس او حاضر می شدند و حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ اجمعین نیز از برائے تربیت و تائید تجلی می فرمودند و خضر علیہ السلام اکثر اوقات از حاضرانِ مجلس شریف می بود و از مشائخ عصر ہر کہ را ملاقات می کرد وصیت می نمود بملازمت مجلس شریف او و می فرمود من اراد الفلاح فعلیہ بملازمۃ ہذا المجلس"۔ [۱۶۴]

یعنی "فرمایا گیا ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں تمام اولیاء و انبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہ تھے وہ اپنی روحوں

---

[۱۶۳] اخبار الاخیار ص ۱۲۔ [۱۶۴] نفس مصدر ص ۱۳۔

کے ساتھ موجود ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ کی تربیت و تائید کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ اجمعین بھی تجلی فرماتے تھے۔ علیٰ ہٰذا اکثر اوقات خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس میں آتے تھے اور خضر علیہ السلام کی جس ولی سے بھی ملاقات ہوتی وہ اسے آپ کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے"۔

کیا ان جیسی بے شمار ہفوات کی موجودگی میں بھی شاہ عبدالحق دہلوی کو ایک بلند پایہ "وجودی صوفی" کے بجائے "محدث" قرار دیا جا سکتا ہے؟

بارہویں صدی ہجری کے علماء اور ان کی علمی خدمات :

بارہویں صدی ہجری میں شاہ عبدالرحیم دم ۱۱۳۱ھ، والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک بلند پایہ صوفی تھے)، علامہ نورالدین ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندی دم ۱۱۳۹ھ، صاحب حواشی علی البیضاوی و مسند احمد و صحیح البخاری و صحیح مسلم و سنن النسائی و سنن ابن ماجہ و جامع الترمذی و فتح القدیر و الجلالین والاذکار النبویہ و شرح النخبۃ و شرح الہدایہ و کتاب الوجازۃ فی الاجازۃ لکتب الحدیث)، شیخ محمد ابوالطیب السندی دم ۱۱۴۰ھ، صاحب حواشی علی الاُصول الستۃ)، شیخ نورالدین احمد آبادی دم ۱۱۵۵ھ، صاحب نور القاری شرح صحیح بخاری)، شیخ نظام الدین انصاری سہالوی دم ۱۱۶۱ھ، موجد نصاب تعلیم درس نظامیہ)، شیخ محمد حیات بن ابراہیم السندی دم ۱۱۶۳ھ، صاحب اعفاء اللحی، الایقاف علی سبب الاختلاف، تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، فتح الغفور فی وضع الایدی فی الصلوٰۃ علی الصدور)، سید محمد فاخر زائر الہ آبادی دم ۱۱۶۴ھ، تلمیذ شیخ محمد حیات السندی، صاحب نور السنۃ، قرۃ العینین در اثبات سنیت رفع الیدین)، شاہ ولی اللہ دہلوی

دم ۱۱۷۶ھ، صاحب ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، فیوض الحرمین، البلاغ المبین، المسوّٰی شرح موطا بزبان عربی، المصفّٰی شرح موطا بزبان فارسی، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن، القول الجمیل، ہمعات، اطیب النغم، چہل حدیث، المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ، الجزء اللطیف، الطاف القدس، تفہیمات الٰہیہ، الخیر الکثیر، شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، البدور البازغہ، فتح الخبیر بمالا بد من حفظہ فی علم التفسیر، تأویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء، الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، انسان العین فی مشائخ الحرمین، فیصلہ وحدت الوجود والشہود، الانتباہ فی سلاسل اولیا، اللہ اور انفاس العارفین)، شیخ ہاشم بن عبدالغفور السندی (صاحب فاکہۃ البستان وترتیب صحیح البخاری علی ترتیب الصحابہ)، شیخ محمد افضل سیالکوٹی (استاذ شاہ ولی اللہ دہلوی) شیخ محمد معین الدین السندی دم ۱۱۸۰ھ تلمیذ شاہ ولی اللہ، صاحب دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب)، شیخ عبداللطیف القرشی السندی دم ۱۱۸۹ھ، صاحب ذبابات الدراسات عن المذاہب الاربعۃ المتناسبات)، شیخ غلام علی آزاد بلگرامی دم ۱۱۹۴ھ، صاحب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، الید البیضاء، مآثر الکرام فی تذکرۃ علماء بلگرام، ضوء الدراری شرح صحیح البخاری)، شیخ شمس الدین مرزا مظہر جان جاناں (تلمیذ شیخ محمد حیات سندھی، صاحب کلمات طیبات و مکتوبات مظہر جان جاناں) اور شیخ شہاب الدین دولت آبادی (صاحب بحر مواج تفسیر قرآن کریم بزبان فارسی) وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء گزرے ہیں۔

اس بارہویں صدی ہجری میں جو علماء گزرے ہیں ان میں سے اکثر سابقہ ادوار کی طرح تصوف و شریعت ہی کے مرکب (یعنی تھوڑی توحید اور تھوڑا شرک) کے علمبردار تھے۔ اس پوری صدی میں تنہا شیخ محمد حیات بن ابراہیم السندی کی ذات گرامی ایسی نظر آتی ہے "جو نہ صرف تصوف کے اثرات سے بہت دور تھی بلکہ مقلدانہ روش بھی ان کا شعار نہ تھا۔" [۱۷۵]

شیخ محمد حیات سندھی کے بعد آپ کے نامور تلامذہ نے بھی اپنے استاذ کا یہی طریقہ اختیار کیا چنانچہ آپ کے ایک شاگرد مرزا مظہر جان جاناں باوجود حنفی ہونے کے اگر کسی مسئلہ میں امام کے قول کو صحیح حدیث کے خلاف پاتے تھے تو امام کے قول کو بلا کسی تاویل کے ترک کر دیتے تھے اور حدیث نبوی کو چھوڑ کر فقہی روایات پر عمل کرنے والوں پر انتہائی حیرت کرتے اور افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ صحیح اور غیر منسوخ احادیث پر تو عمل نہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے معصوم عن الخطأ رسول سے چند ثقہ راویوں کے واسطہ سے مروی ہیں لیکن اس کے برعکس ان فقہی روایات کو معمول بہا ٹھہرایا جائے جو غیر امام غیر معصوم سے قضاۃ اور ارباب فتویٰ نے متعدد ایسے واسطوں سے نقل کی ہیں جن کا عدل و ضبط بھی معلوم نہیں ہے۔" [۱۷۶]

مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں کہ: "وھو یقوی قراءۃ الفاتحۃ خلف الإمام" [۱۷۷] یعنی "وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسلک کو قوی سمجھتے تھے۔"

شیخ محمد حیات سندھی کے دوسرے مشہور شاگرد محمد فاخر زائر الٰہ آبادی تھے۔ آپ اپنے وقت کے ایک مشہور محدث و فقیہ، اتباع سنت کے پیکر اور عمل بالحدیث کے داعی تھے۔ آپ نے اپنے مسلک کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے ؎

---

[۱۷۵] اتحاف النبلاء المتقین ص ۴۳۰، ابجد العلوم ص ۸۴۹۔ [۱۷۶] نزہۃ الخواطر ۵۲/۶۔ [۱۷۷] ابجد العلوم ص ۹۰۰، تقصار جیود الاحرار ص ۱۱۳، مسک الختام ۲۱۹/۱۔

با اہل حدیثیم و دغا را نہ شناسیم | صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ و فن نیست
زآثر از کشکول اہل رائے نتوان لقمہ خورد | بر سرِ خوانِ رسول اللہ مہمانیم ما
از احادیثِ رسول آوردہ ام اسرارِ دیں | نیست غیر از گوہر شہوار در دکانِ ما

شیخ محمد زاآثر کے متعلق نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

"وے رحمہ اللہ تعالیٰ امام ائمہ متبعین سرزمین ہند و شیخ الشیوخ اکابر علمائے ارجمند"۔ [۱۲۸]

یعنی "وہ رحمہ اللہ سرزمین ہند میں ائمہ متبعینِ سنت کے امام اور اکابر علمائے مشاہیر میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے"۔

اور سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:

"واتفق الناس على الثناء عليه والمدح لشمائله وصار مشاراً إليه في هذا الباب وكان لا يتقيد بمذهب ولا يقلد في شيء من أمور دينية بل كان يعمل بنصوص الكتاب والسنة ويجتهد برأيه وهو أهل لذلك"۔ [۱۲۹]

یعنی "تمام لوگ ان کی ثناء اور ان کے شمائل کی مدح پر متفق تھے اس باب میں وہ مرجع تصور کیے جاتے تھے۔ وہ کسی فقہی مسلک کے پابند نہ تھے اور نہ دینی امور میں کسی کی تقلید کرتے تھے بلکہ کتاب و سنت کی نصوص پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے اور وہ اس کے اہل بھی تھے"۔

جہاں تک اس صدی کے علماء میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد شاہ عبدالرحیم دہلوی کو شمار کرنے کا تعلق ہے تو جاننا چاہیئے کہ وہ اپنے

---

[۱۲۸] تقصار جیود الاحرار ص۱۱۵۔ [۱۲۹] نزہۃ الخواطر ۶/۲۴۱۔

وقت کے ایک مشہور صوفی تھے۔ ان کی متصوفانہ ہفوات کے مطالعہ کے لیے ان کے گھر کی شہادت ہی یعنی "انفاس العارفین" کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ آگے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ضمن میں ان ہفوات کی چند مثالیں پیش کی جائیں گی۔ لیکن باوجود صوفی ہونے کے آپ فاتحہ خلف الامام اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرارت کے قائل تھے جیسا کہ اوپر حاشیہ ۱۵۲ کے تحت "انفاس العارفین[۱۸۰]" کے حوالہ سے مذکور ہو چکا ہے۔

علامہ نور الدین ابو الحسن بن عبد الہادی السندی :۔ آپ کے متعلق بھی بعض علماء مثلاً شیخ محمد عابد سندھی نے "تراجم الشیوخ" میں، سید رشد اللہ شاہ سندھی نے "مسلک الانصاف" میں اور علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی نے "التعلیق المنصور علی فتح الغفور" میں لکھا ہے کہ: "کان الشیخ عاملا بالحدیث لا یعدل عنہ إلی مذھب"۔ یعنی "شیخ ابو الحسن حدیث پر عمل پیرا تھے، حدیث کے علاوہ کسی مذہب کو قابل اعتناء نہ سمجھتے تھے"۔

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ حالت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے اور قبل الرکوع و بعد الرکوع رفع یدین کرنے کی پاداش میں قاضیٔ وقت نے آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی دی تھیں لیکن آپ کے عزم و استقلال میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

۱۸۰؎ انفاس العارفین ص ۶۹۔

شیخ محمد معین الدین سندھی :- اس صدی میں شیخ محمد معین الدین کی شخصیت بھی بہت اہمیت کی حامل ہے ۔ آپ شاہ ولی اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔ آپ نے بھی اپنی تصانیف میں اتباع سنت پر کافی زور دیا ہے لیکن چونکہ اس صدی کے ایک اور عبقری یعنی شاہ ولی اللہ کا تذکرہ ابھی باقی ہے اس لیے بنظر اختصار ہم تفصیل سے گریز کرتے ہیں ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی :-

جہاں تک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تعلق ہے تو وہ بیک وقت شاہ عبدالرحیم کی طرح اپنے وقت کے ایک بڑے صوفی اور عالم دونوں تھے جن لوگوں کو ان کی متصوفانہ کتب تک رسائی نہیں ہوئی ہے وہ ان حضرات کے متعلق بہت خوش فہم نظر آتے ہیں، چنانچہ محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال فرماتے ہیں :

"پھر (شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے فرزند کے بعد) اللہ تعالیٰ نے شیخ الاجل، محدث اکمل، ناطق وحکیم وقت، اس طبقہ کے افق وزعیم شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی م ۱۱۷۶ھ کو بھیجا" الخ [۱۸۱]

اور شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری شاہ ولی اللہ کے متعلق "مقدمہ تحفۃ الاحوذی" میں فرماتے ہیں :

---

[۱۸۱] الحطۃ ص۸ ۔

"شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ہندوستان میں علم
حدیث کا پودا لگایا بعد میں اس پودے نے توانائی اختیار
کی اور آس پاس کے بہت سے شہروں اور علاقوں میں اس
کی شاخیں پھیل گئیں۔ ان کے علم سے فیض یاب ہو کر ایک ایسی
عظیم جماعت تیار ہوئی جو علوم دین اور سنت نبویہ کی
اشاعت کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی کوششوں سے
ایک بڑا طبقہ پیدا ہو گیا جو علوم حدیث اور اس کی تبلیغ واشاعت
کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔" الخ [۱۸۲]

اسی طرح بعض لوگوں نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات کو "اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے طویل عمل کا امن نقطۂ آغاز" بتایا ہے ـــــ لیکن افسوس کہ یہ تمام حضرات یہ بتانا بھول گئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف کی جو خدمت انجام دی اس کی شاخیں ہندوستان میں کہاں کہاں پھیلیں اور ان سے فیض حاصل کرنے والے کس دین و مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لئے کمربستہ ہوئے؟ اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بحیثیت ایک صوفی کے دیکھا جائے تو آپ "وحدت الوجود" اور "وحدت الشہود" دونوں نظریات کے حامل نظر آتے ہیں۔ الدر الثمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، فیوض الحرمین، تفہیمات الٰہیہ، فیصلہ وحدت الوجود والشہود اور انفاس العارفین تصوف پر آپ کی گراں مایہ تصانیف تصور کی جاتی ہیں۔ صرف "انفاس العارفین"، کہ جس میں شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی بزرگی کی الم غلم حکایات

---

[۱۸۲] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۶۔

کو ملفوظات کی شکل میں بلا تبصرہ و تنقید جمع فرمایا ہے، ہی آپ کو صوفیاء کی اگلی صف میں لا کھڑا کرنے کے لیئے کافی ہے۔ واضح رہے کہ "انفاس العارفین" شاہ ولی اللہ صاحب کی آخری تصنیف تھی اور بقول علامہ عبید اللہ سندھی صاحب "یہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور تصوف کی روح ہے"۔[183]

ذیل میں شاہ ولی اللہ صاحب کے متصوفانہ افکار کی ایک جھلک ان کی ہی مختلف تصانیف کے چند اقتباسات کی شکل میں پیش خدمت ہے، فرماتے ہیں:

۱۔ "وأعطانی العصمة من المؤاخذة دنیا وآخرة فکل ما تجری علیّ من الشدائد فإنما هو من مقتضیات الطبیعة لا من باب المؤاخذة۔"[184]

یعنی "اور اس کے ساتھ مجھے دنیا و آخرت کے مواخذہ سے عصمت عطا فرمائی (بری کر دیا) لہٰذا جو سختیاں بھی مجھ پر گزریں وہ مواخذہ کی وجہ سے نہیں بلکہ مقتضیات طبیعت سے ہیں۔"

۲۔ "رأیت وأنا أطوف بالبیت العتیق لنفسی نورا عظیما یغشی الأقالیم ویبهر أهلها وفطنت أن القطبیّة أعنی الإرشادیة إنما یصح بمثل هذا النور الذی یبهر ویغلب ولا یغلب وإن من شیء إلا یأتی علیه ولا یؤتی فتدبر۔"[185]

یعنی "میں جس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو میں نے اپنی ذات کے لیئے ایک نور عظیم دیکھا کہ جس نے شہروں کو گھیر لیا اور شہر والوں کو روشن کر دیا۔ سو میں نے سمجھ لیا کہ قطبیت یعنی ارشادیت اسی نور سے ثابت ہوتی ہے جو

---

۱۸۳ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۲۱۵۔ ۱۸۴ فیوض الحرمین ص ۱۹۱۔ ۱۸۵ نفس مصدر ص ۱۸۹۔

منور ہے اور سب پر غالب ہے، کسی سے مغلوب نہیں اور ہر ایک شے اس کے پاس آتی ہے اور یہ کسی کے پاس نہیں جاتا ہے، پس تو غور وفکر کر۔"

۳۔ "فكذلك الإنسان قد يكون في حياته الدنيا مشغولاً بشهوة الطعام والشراب والغلمة وغيرها من مقتضيات الطبيعة والرسم لكنه قريب الماخذ من الملائكة السافل قوى الانجذاب إليهم فإذا مات انقطعت العلاقات ورجع إلى مزاجه فلحق بالملائكة وصار منهم وأُلهم كإلهامهم وسعي فيما يسعون فيه." [186]

یعنی "بالکل اسی طرح انسان (ولی) کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوات نفسانی اور اسی طرح کے دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم ومعاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اس کو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔ لہذا جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے تمام جسمانی علاقے وتعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل بیعت کی طرف عود کرآتا ہے اور پھر ملائکہ میں مل کر انہی میں کا ہو جاتا ہے اور انہی کے سے الہامات اس کو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کام وہ بھی کرنے لگتا ہے۔"

۴۔ "الحديث الخامس عشر: أخبرني والدي أنه كان مريضا فرأى النبي صلى الله عليه وسلم في النوم، فقال: كيف حالك يا بني؟ ثم بشره بالشفاء وأعطاه شعرتين من

---

[186] حجة الله البالغة ص۲۰۔

شعور لحيته فتعافى من المرض فى الحال وبقيت الشعرتان عنده فى اليقظة فأعطانى إحداهما فهى عندى"۔ [187]

یعنی "پندرہویں حدیث: میں نے جناب والد سے سنا کہ وہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا تیرا کیا حال ہے؟ پھر شفاء کی بشارت دی اور اپنی ریش مبارک میں سے دو موئے مبارک عنایت کیے۔ اسی وقت وہ شفایاب ہو گئے اور حالت بیداری میں بھی وہ دونوں موئے مبارک ان کے پاس باقی رہے۔ پس ان میں سے ایک موئے مبارک انہوں نے مجھے دیا جو میرے پاس موجود ہے"۔

۵ــــ "می فرمودند روزے در حجرہ تنہا نشستہ بودم جوانی متمثل شد و گفت اگر خواہی الحال از دار دنیا انتقال کنی و اگر خواہی بعد زمان، گفتم بعض کمالات ہنوز مامول ست و غیر محصول، گفت پس موت تو متأخر است آگاہ بازگشت بر پشت او جواہر مرصع دیدم بشکل استدارہ و ایں قصہ اختصار کردہ شد"۔ [188]

یعنی "(والد محترم شاہ عبدالرحیم نے) فرمایا: ایک دن میں تنہا اپنے حجرہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس دنیا سے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے ہو، اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ کے بعد۔ میں نے جواب دیا: ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں، اور میں ان کی امید میں ہوں۔ کہنے لگا اچھا تمھاری مرضی کے مطابق تمھاری موت مؤخر کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شخص واپس ہوا تو میں نے اس کی پشت پر

---

[187] الدر الثمین ص۶۰۔ [188] انفاس العارفین ص۴۸۔

جڑے ہوئے زیورات دیکھے ۔ یہ قصہ مختصر بیان کیا گیا ہے ۔"

۶۔ "می فرمودند وقتی از اوقات فنارکلی وغیبت تامہ دست داد دیدم کہ حق سبحانہ وتعالیٰ بملائکہ امر فرمود بندۂ مراکہ فلانست بجوئید در زمین جستند نیافتند، در آسمانہا تفحص کردند نیافتند، در بہشت تجسس نمودند نیافتند پس حق سبحانہ خطاب کرد کہ ہر کہ درمن گم شد در زمین نتواں یافت و نہ در آسمان و نہ در بہشت ۔"[189]

یعنی " والد گرامی فرماتے تھے کہ اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے فلاں بندہ کو ڈھونڈ لاؤ ۔ انھوں نے تمام روئے زمین پر تلاش کیا مگر نہ پایا، آسمانوں کو چھان مارا مگر نہ پایا، بہشت میں بھی تلاش کیا مگر نہ پایا تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا : جو بھی مجھ میں فنا ہو وہ نہ آسمان میں ملے گا، نہ زمین پہ پایا جائے گا اور نہ ہی بہشت میں ۔"

۷۔ "می فرمودند یکباری حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم در واقعہ دیدم چوں کمال ظہور صفات الٰہیہ در آں مظہر اتم مشاہدہ کردم بسجدہ افتادم آں حضرت انگشت بدنداں گرفتند و بایں صورت منع فرمودند بارہا بخاطری آمد کہ در منع بایں صورت چہ نکتہ باشد بعد ازاں معلوم شد کہ آدمی را سجدہ کردن بردو گونہ است یکے باعتقاد معبودیۃ ، وآں کفرست، ودیگر بمشاہدۂ ظہور صفات الٰہیہ در وی وآں ممنوع است بجہۃ مشابہۃ بکفر پس فرق را دریں دو سجدہ

---

[189] انفاس العارفین ص۳۶ ۔

بایں وضع منع فرمودند کہ دوں تصریح ست۔" [190]

یعنی " والد گرامی نے فرمایا : ایک مرتبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم حقیقت دیکھا۔ جب اس مظہر اتم میں صفات الٰہیہ کا کمال ظہور مشاہدہ کیا تو سجدہ میں گر گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منہ میں دبالی اور اس شکل سے منع فرمایا۔ بارہا دل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا نکتہ پنہاں تھا؟ بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے۔ دوسرا اس صورت میں کہ اس میں صفات الٰہیہ کے ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ مشابہت کفر کی وجہ سے ممنوع ہے۔ لہٰذا اس باریک فرق کی بناء پر اس وضع سے آپ نے منع فرمایا۔"

۸۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے تایا ابو الرضا محمد کے متعلق ایک مقام پر لکھتے ہیں :

" و نیز استماع افتاد کہ مردی از خادمان حضرت ایشان بفعلی منکر مرتکب بود حضرت ایشان در مجالس متعددہ اور ابر شناعت فعل او برمز و ایماء تنبیہ کردند وی متنبہ نشد و از اں فعل ممتنع نگشت بعد ازاں حضرت ایشان او را در خلوتی طلبیدند و گفتند ترا بارہا بتعریض متنبہ ساختم متنبہ نشدی گمان می بری کہ افعال ترا نمی دانم، بخدا اگر موری در زیر ترین زمین باشد و در خاطر او صد خطرہ خطور کند من نود و نہ خطرہ را میدانم و حق سبحانہ بتمام مائۃ عالم ست پس آں شخص توبہ کرد۔" [191]

---

[190] انفاس العارفین ص۴۲۔ [191] نفس مصدر ص۹۴-۹۵۔

یعنی "سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا۔ آپ نے کئی بار اسے اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادت بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا تجھے بار ہا اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی، شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا اگر زمین کے نچلے طبقے میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں بھی سو خیالات آئیں تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہ وتعالیٰ سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کر لی"۔

۹۔ ایک مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب "وحدت الوجود" اور "وحدۃ الشہود" کی صحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالمذهب الأول يسمى بوحدة الوجود والثاني بوحدة الشهود وقد وقع عندنا أن المكشوفين صحيحان جميعًا لكن القول بأن وحدة الشهود على هذا المعنى لم يقل به الشيخ العربي سهو بل الشيخ وأتباعه بل الحكماء أيضًا يقولون بها"۔ [192]

یعنی "پہلے مذہب کا نام وحدت الوجود ہے اور دوسرے کا نام وحدت الشہود۔ ہمارے نزدیک دونوں مکاشفے صحیح ہیں لیکن یہ کہنا کہ شیخ عربی نے وحدت شہودی اس معنی سے نہیں کہے یہ سہو ہے بلکہ شیخ اور اتباع شیخ بلکہ حکماء نے بھی یہی کہا ہے"۔

---

[192] فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود ص۲۔

۱۰۔ شاہ صاحب صوفی سلسلہ چشتیہ کے ساتھ اپنے آباء داجداد کی قدیم نسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کاتب الحروف کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ چلا آرہا تھا کہ ہر صدی میں طریقۂ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر و بیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے"۔ [۱۹۳]

کیا اب بھی شاہ ولی اللہ صاحب کے ایک بلند پایہ صوفی ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے ؟

مگر اس کے ساتھ ہی علم حدیث اور تفسیر پر بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں چنانچہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کام کو دو حصوں میں تقسیم سمجھا جائے۔ پہلا حصہ وہ ہے جو تجدید واحیائے دین سے متعلق ہے اور بلاشبہ قابل قدر ہے مگر آپ کے کام کا دوسرا حصہ جو تصوف سے متعلق ہے بلاشبہ قرآن وسنت میں اس کی کوئی گنجائش کم از کم اس کوتاہ نظر کو نظر نہیں آتی ___ واللہ اعلم۔

نہ معلوم ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے اس قول میں کس درجہ صداقت ہے :

"اگر ان صوفیاء میں سے کسی نے کبھی قرآن وحدیث کا نام لیا ہے تو وہ بھی صرف اپنے دین اتحاد کی مخصوص اصطلاحات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے"۔ [۱۹۴] واللہ اعلم۔

---

[۱۹۳] انفاس العارفین ص ۳۷۔ [۱۹۴] توحید خالص قسط اول (گھر کے چراغ) ص ۱۳۶۔

تیرہویں صدی ہجری کے علماء اور ان کی علمی خدمات :-

بارہویں صدی کے بعد آنے والے دور میں شیخ محمد باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ)، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ تلمیذ شاہ ولی اللہ، صاحب تفسیر مظہری، منار الاحکام، السیف المسلول، مالا بدمنہ، ارشاد الطالبین)، عبد العلی بن ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ، صاحب فواتح الرحموت لشرح مسلم الثبوت)، شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۲۳۰ھ، صاحب تفسیر موضح القرآن)، شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۲۳۵ھ، صاحب علامات قیامت، راہ نجات، دفع الباطل و معادن موضح القرآن) ابو اسحاق محدث لہراوی اعظمی (م ۱۲۳۴ھ، صاحب نور العینین فی اثبات رفع الیدین)، احمد حسن دہلوی (م ۱۲۳۸ھ)، شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۲۳۹ھ، صاحب بستان المحدثین، عجالہ نافعہ، تحفہ اثنا عشریہ، تفسیر عزیزی، فتاوی عزیزی، حواشی بر شرح عقائد، عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، سر الشہادتین، شرح میزان المنطق، حواشی بدیع المیزان، میزان البلاغہ)، عبد العزیز فرہاری ہندی (م ۱۲۴۱ھ، صاحب کوثر النبی)، عبد الرحیم غزنوی (۱۲۴۲ھ)، شاہ عبد الحی بڈھانوی (۱۲۴۳ھ)، شاہ اسمٰعیل شہید بن عبد الغنی دہلوی (م ۱۲۴۶ھ تلمیذ شاہ عبد العزیز دہلوی، صاحب تقویۃ الایمان، اصول فقہ، عظمت صحابہ و اہل بیت، تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، منصب امامت، صراط مستقیم، عبقات)، سید احمد شہید (م ۱۲۴۶ھ)، فرحت حسین (م ۱۲۴۷ھ)، محمد عابد السندی (م ۱۲۵۷ھ، صاحب حصر شارد، طوالع الانوار علی الدر المختار، تراجم الشیوخ،

المواہب اللطیفہ، شرح مسند ابی حنیفہ[195]، ملا اخوند شیر محمد (م ۱۲۵۷ھ)، محمد علی رامپوری (م ۱۲۵۸ھ)، شاہ عبدالخالق دہلوی (م ۱۲۶۱ھ)، شاہ محمد اسحٰق ابن بنت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۶۲ھ)، شیخ اسماعیل مراد آبادی (استاذ بشیر الدین قنوجی)، اوحدالدین بلگرامی (استاذ بشیر الدین قنوجی)، محمد حسن بریلوی (استاذ بشیر الدین قنوجی)، ولایت علی صادق پوری (م ۱۲۶۹ھ)، خرم علی بلہوری (م ۱۲۷۰ھ، مترجم و محشی مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ)، نورالاسلام بن سلام اللہ (استاذ بشیر الدین قنوجی)، محمد علی رامپوری (استاذ بشیر الدین قنوجی)، مفتی شرف الدین (استاذ بشیر الدین قنوجی)، شاہ نور علی (م ۱۲۷۲ھ)، احمد علی چریا کوٹی (م ۱۲۷۲ھ)، قاضی محمد بشیر الدین قنوجی (م ۱۲۷۳ھ، استاذ سید امیر حسن، صاحب مذہب ماثور، تبصرۃ الناقد، صیانۃ الناس)، عنایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۷۴ھ)، ابو عبدالرحمٰن شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی (تلمیذ بشیر الدین قنوجی)، سخاوت علی جونپوری (م ۱۲۷۴ھ)، سید احمد حسن عرشی (م ۱۲۷۷ھ)، قاضی عبیداللہ مدراسی (م ۱۲۸۰ھ، صاحب جزء من تفسیر فیض الکریم)، محمد یعقوب اخو الشیخ محمد اسحاق الدہلوی (م ۱۲۸۲ھ)، مفتی صدرالدین خاں آزردہ (م ۱۲۸۵ھ تلمیذ شاہ عبدالعزیز دہلوی)، عبدالحق محدث بنارسی (م ۱۲۸۶ھ)، فضل الحق خیرآبادی (م ۱۸۶۱ء، مدفن انڈمان)، نواب مصطفٰی خاں شیفتہ (م ۱۲۸۶ھ)، کرامت علی جونپوری (م ۱۲۹۰ھ)، فضل امام (استاذ مفتی صدرالدین خان آزردہ)، مرزا حسن علی محدث لکھنوی (تلمیذ

---

[195] مولانا محمد عابد سندھی نے "شرح مسند ابی حنیفہ" (ج ۱، ص ۳۸۰، مخطوطہ) میں سری نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت کو "اعدل الاقوال" قرار دیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز)، محمد رحیم الدین بخاری (تلمیذ شاہ عبدالعزیز و شاہ عبدالقادر دہلوی)، نواب قطب الدین (تلمیذ شاہ محمد اسحاق، صاحب مظاہر حق)، ابو سعید عبدالغنی مجددی دہلوی (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق)، محمد ناصر حازمی (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق)، فضل الرحمٰن مراد آبادی (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق)، سید امیر حسن سہسوانی (م ۱۲۹۱ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب براہین اثنا عشر)، غلام رسول (م ۱۲۹۱ھ)، الف علی بہاری (م ۱۲۹۶ھ)، لطف علی بن رجب علی راجگیری بہاری (م ۱۲۹۶ھ، استاذ علامہ شمس الحق عظیم آبادی)، احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ، صاحب حل صحیح البخاری)، محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ، صاحب تحذیر الناس، میلہ خداشناسی، اجوبہ اربعین، تصفیۃ العقائد، ہدیۃ الشیعۃ، انوار قاسمی)، سید عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب حمائل غزنویہ)، عبدالقیوم بن بنت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۹۹ھ، تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی)، شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ نور اللہ بڈھانوی، شیخ جمال الدین، شاہ محمد امین کشمیری، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ حسن جان، شاہ عبدالجلیل علی گڑھی (استاذ سید امیر حسن سہسوانی)، عبدالحلیم انصاری لکھنوی (استاذ و والد شیخ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی)، محمد بن عبداللہ غزنوی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین دہلوی، حسن علی ہاشمی لکھنوی اور عبدالحی دہلوی (تلمیذ شاہ عبدالعزیز دہلوی) وغیرہ وسعت علم، تقوی و ورع، فضل و زہد اور تحقیق و اتقان میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ ان میں سے اکثر علماء کے دلوں میں تقلیدی رجحان موجود ہونے کے باوجود علم حدیث، اس کی اتباع، ترویج، اشاعت اور تدریس کی محبت رچی بسی تھی مگر ان تمام

حضرات میں سب سے زیادہ ممتاز شاہ ولی اللہؒ کے فرزند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی شخصیت تھی۔ ذیل میں اس صدی کے بعض مشاہیر کا مختصر تعارف و تذکرہ پیش خدمت ہے:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مرزا مظہر جان جاناں کہ جن کا مختصر تعارف اوپر گزر چکا ہے قاضی ثناء اللہ صاحب کو "علم الہدیٰ" اور شاہ عبد العزیز دہلوی "بیہقیٔ وقت" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ حنفی المسلک تھے مگر دلائل کی بنیاد پر حنفی نقطہ نظر سے بلا تأمل دست کش ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کی مشہور تفسیر "مظہری" کے بعض مقامات پر ایسی مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مرفوع اور تعارض و نسخ سے محفوظ حدیث مل جائے اور امام ابو حنیفہ کا فتویٰ اس کے خلاف ہو لیکن دوسرے ائمہ میں سے کسی ایک امام کا رجحان اس حدیث کے موافق ہو تو ایسی صورت میں اپنے مسلک پر اڑے نہیں رہنا چاہیئے بلکہ حدیث کی اتباع کرنا واجب ہے تاکہ قرآن کے اس ارشاد کے انطباق سے بچا جائے کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض لوگوں کو اپنا رب بنا لیا ہے[196]۔"

اسی طرح مسئلہ تحریم الضب کے بارے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ الضب حشرات الارض میں سے ہے تو یہ قول صحیح و صریح نص کے خلاف ہے۔ صاحب الہدایہ نے جس

---

[196] تفسیر مظہری ۲/۶۴۔

حدیث کا ذکر کیا ہے میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا۔" [197]

آپ نے اپنے آخری ایام میں اپنی نماز جنازہ کے لیے بطور خاص یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

"بعد تکبیر اولیٰ سورہ فاتحہ ہم خوانند۔" [198] یعنی "میرے جنازہ کی نماز میں تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ بھی پڑھی جائے۔"

ان تمام خوبیوں کے باوجود قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی اس عہد کی عام روش کے مطابق صوفیانہ عقائد و نظریات کے حامل تھے مگر اس کی تفصیل بیان کرنا طول محض کا باعث ہوگا۔

ابو اسحاق محدث لہراوی اعظمی: ۔ آپ شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی کے خاص شاگرد تھے۔ حق گوئی دبیا کی میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ عمر کا ایک بڑا حصہ آپ نے اتباعِ سنت اور حدیث کی دعوت و ترویج میں گزارا تھا۔ آں رحمہ اللہ اپنے رسالہ "نور العینین فی اثبات رفع الیدین" کے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"لما اتبعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لم أبال نعمان والسفيان والزهري" [199]

یعنی "جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لی تو مجھے امام ابو حنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام زہری کے اقوال کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

---

[197] تفسیر مظہری ۲/۲۴۔ [198] وصیت نامہ مطبوعہ در مجموعہ وصایا اربعہ ص ۱۳۶۔

[199] تراجم علمائے حدیث ص ۳۱، تذکرہ علماء مبارک پور ص ۹۵۔

آں رحمہ اللہ کے صرف اسی ایک قول سے سنت کے ساتھ ان کی محبت و لگاؤ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی :۔

علامہ مبارک پوری شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا ذکر خیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ان سب میں شیخ الاجل، مسند وقت، فقیہ، مفسر و محدث شاہ عبد العزیز کو علوم حدیث و قرآن کی نسبت سے امتیازی مقام حاصل تھا۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے تدریس، افتاء، ارشاد و ہدایت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ لوگوں نے دین و علوم شرعیہ کے مشکلات کے حل کے لئے انھیں مرجع بنا لیا تھا" الخ[۲۰۰]

لیکن مولانا ابو الکلام آزاد بجا طور پر فرماتے ہیں کہ :

"شاہ عبد العزیز کو شہرت و قبولیت کی عالمگیر سند ملی، بنگال سے لے کر بخارا و سمرقند تک ان کی عظمت و استاذی کا سکہ چلنے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقبولیت عام کی راہوں سے بے پرواہ ہو کر کام نہ کر سکے اور شاہراہ عام پر چلتے رہنے کے سوا چارۂ کار نہ دیکھا۔ اوائل میں ان کا قلم بے اختیار اپنے والد کے مسلک پر چلنے لگا تھا۔ پھر رک گئے اور احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانے لگے اور تفسیر میں بہ ضمن تفسیر (وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى)[۲۰۱]

---

[۲۰۰] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۸۔ [۲۰۱] سورہ البقرۃ ۔ ۱۲۵۔

تقلید مذاہب کے باب میں کیا دانشگاف لکھ گئے ہیں لیکن پھر جب مولوی عبدالرحمن لکھنوی نے استفسار کیا تو گول مول لکھ گئے۔ قراءۃ فاتحہ خلف امام کے بارے میں ان کا فتوی موجود ہے، لیکن جب شور و ہنگامہ ہوا تو اس پر اصرار چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ[۲۰۲] کے خواب والے معاملے میں صاف صاف لکھ گئے ہیں کہ میں نے پوچھا مذاہب اربعہ میں کون سا مذہب پسندیدہ ہے؟ فرمایا کوئی نہیں ؎

مصلحت دید من آں ست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرہ یارے گیرند

حضرت علیؓ نے یہ فرمایا ہو یا نہ فرمایا ہو لیکن یہ خود شاہ صاحب کی ذہنی معنویت کی صدائے درونی تھی مگر جب لوگ اس پر پریشان خاطر ہوئے تو اس کی تاویلیں کرنے لگے۔ تفسیر (مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ[۲۰۳]) پر جو فتنہ اٹھا تھا اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ وقت کی حقیقت فراموشیوں کا کیا حال تھا۔ اگر اپنے والد کے مسلک پر رہتے تو قبولیت عوام سے دستبردار ہونا پڑتا۔ افسوس یہی قبولیت عوام ہمیشہ علماء کے لیے سب سے بڑا فتنہ رہی۔ والد مرحوم فرماتے تھے جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسند درس و ارشاد پر بیٹھے تو مولانا فخرالدین نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی جب پگڑی باندھ چکے تو کانوں میں کہا: تمہارے

---

[۲۰۲] فتاوی عزیزی میں حضرت علیؓ کے اس خواب کے الفاظ یوں مذکور ہیں: "عرض نمود کہ از مذاہب فقہاء کدام یک مختار و پسند جناب است؟ فرمودند کہ ہیچ مذہب پسند ما نیست۔" (فتاوی عزیزی ص۸)

[۲۰۳] سورۃ البقرۃ ـ ۱۷۳۔

والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کردو۔ دھبے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا۔ اس وقت تک وہابیت وغیرہ کے تلقب تو پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ کوئی خاص جماعت اس مسلک کی ملک میں موجود تھی اس لیئے عامۂ علماء مختلف طریقوں سے اسے تعبیر کرتے تھے۔ عام طور پر اعتزال کا تلقب اختیار کرلیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ اعتزال کی سے طرف میلان رکھتے تھے حالانکہ کجا معتزلہ و اعتزال اور کجا مشرب اصحاب سلف و حدیث بینہما مفاوز تنقطع فیہا أعناق المطی۔ بہر حال شاہ عبدالعزیز سے یہ درخواست کی گئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے پوری کردی۔"[204]

"تفسیر عزیزی" کے بعض مقامات پر تقلید شخصی کے رد میں شاہ عبدالعزیز کے جو متعدد اقوال ملتے ہیں (جن کی تفصیل "اکمل البیان[205]" میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے) ـــــ وہ سب اقوال آں رحمہ اللہ کے اوائل دور کی حالت یعنی جب تک کہ ان پر شاہ ولی اللہ صاحب کی تربیت کے اثرات غالب تھے، کے ترجمان ہیں۔ بعد میں آپ نے اس معاملہ میں کافی نرمی اختیار کرلی تھی لہذا آں رحمہ اللہ کے ان اقوال سے زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے، واللہ اعلم۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ:۔ ولی اللّٰہی خاندان میں ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے برعکس شاہ ولی اللہ دہلوی کے حفید شاہ اسمٰعیل شہید نے انتہائی

۲۰۴ھ نقش آزاد صـ۳۱۸ - ۳۱۹۔ ۲۰۵ھ اکمل البیان صـ۱۳ - ۱۶۔

جرأت وہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشاعت توحید، ردّ بدعات، ترویج سنت اور عمل بالحدیث کے متعلق جو اشارات شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے دور میں کئے تھے ان کو عملاً رائج کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"دعوت و اصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دئے تھے اب اس سلطان وقت اور اسکندر عزم کی بدولت شاہجہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب سر بازار کی جاری اور ہو رہی تھیں۔" [۲۰۶]

لیکن باوصف اس کے یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہید بھی اپنے آباء و اجداد کی طرح نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے انتہائی دلدادہ تھے چنانچہ اس نظریہ کے اثبات کے لئے آں رحمہ اللہ نے "عبقات" جیسی کتاب لکھی اور اپنے مرشد و استاذ سید احمد شہید کی املاء پر "صراط مستقیم" نامی کتاب ترتیب دی جو اکتساب مقام الوہیت کے عملی طریقوں سے معمور ہے۔ آپ کی مشہور کتاب "تقویۃ الایمان" بھی جو توحید کے مضامین پر مشتمل ہے، وحدۃ الوجود کے نظریہ سے پاک نہ رہ سکی چنانچہ آں رحمہ اللہ "تقویہ" کے ایک مقام پر لکھتے ہیں: "یا عبد القادر شیئاً للہ" (یعنی اے عبد القادر اللہ کے نام پر کچھ دو۔) تو کہنا صحیح نہیں ہے مگر یوں کہنا صحیح و درست ہے کہ اے اللہ عبد القادر کے واسطے سے عطا فرما۔"

---

[۲۰۶] تذکرہ ص ۲۲۵۔

شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ:۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بعد ان کے جانشین شاہ محمد اسحٰق دہلوی مہاجر مکی کی شخصیت ایک نابغۂ روزگار بن کر ابھری۔ آں رحمہ اللہ کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

"ان سب میں شاہ محمد اسحٰق دہلوی آفاقی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے مسند درس سنبھالی۔ ان کے زمانہ میں ریاست حدیث ان پر ختم تھی۔ ان کے علم سے مستفید ہو کر شاگردوں کی ایک بڑی جماعت خارج ہوئی۔" [۲۰۷]

شیخ عبداللہ غزنویؒ:۔

اس دور کے ایک اور عبقری عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی تھے جن کے متعلق محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

"چرخ اگر ہزار چرخ زند مشکل کہ چنیں ذات جامع کمالات بر روئے ظہور آرد ہم محدث بود وہم محدث۔" [۲۰۸]

(ترجمہ: آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے تو مشکل ہے کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی معرض وجود میں آئے وہ محدث و محدث دونوں تھے۔)

آں رحمہ اللہ کے متعلق مولانا سید عبدالحی الحسنی بیان کرتے ہیں:

"الشیخ الإمام العالم المحدث عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی الشیخ محمد

---

[۲۰۷] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۷-۲۸۔ [۲۰۸] تقصار من تذکار جیود الاحرار ص ۱۹۲۔

أعظم الزاهد المجاهد، الساعي لمرضاة الله المؤثر لرضوانه على نفسه وأهله وماله وأوطانه، صاحب المقامات الشهرة والمعارف العظيمة الكبيرة." [209]

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف غزنوی شیخ تھے، امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھے۔ اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان، اپنا گھربار، اپنا مال، اپنا وطن غرض سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ علماءِ سوء کے خلاف آپ کے معرکے مشہور ہیں۔)

اور شارح سنن ابوداؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:

"إنه كان في جميع أحواله مستغرقاً في ذكر الله عزوجل حتى إن لحمه وعظامه وأعصابه وأشعاره وجميع بدنه كان متوجهاً إلى الله تعالى فنيٰ في ذكره عزوجل." [210]	"وہ ہر وقت اور حال میں اللہ عزوجل کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں، ان کے پٹھے، ان کے بال اور تمام بدن اللہ عزوجل کی طرف متوجہ تھا، اللہ کے ذکر میں فنا ہو گئے تھے۔"

[209] نزہۃ الخواطر ۷/۳۰۲۔

[210] مقدمہ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود۔

ذکر و اوراد میں آں رحمہ اللہ کی محویت و استغراق کی طرح درس حدیث میں بھی آپ کے انتہائی انہماک کا اندازہ علامہ اقبال کے ان جملوں سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے محمد دین فوق کے نام ان کے بیٹے کی تعزیت کے سلسلہ میں اپنے مکتوب میں لکھے تھے، فرماتے ہیں:

"مولوی عبداللہ غزنوی درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل (وفات) کی خبر ملی۔ ایک منٹ تامل کیا پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا: برضائے او راضی ہستیم بیائید کہ کار خود کنیم۔ (یعنی ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، آؤ ہم اپنا کام کریں)، یہ کہہ کر پھر درس میں مشغول ہو گئے۔"[۲۱۱]

آں رحمہ اللہ کے ان تمام اوصاف حمیدہ کو تسلیم کرنے کے باوجود راقم یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ ہمارے بعض علماء اہل حدیث نے ان سے عقیدت و محبت کے غلو کے باعث یہ لکھ دیا ہے کہ:

"آپ کو اللہ عزوجل سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔"

فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

چودھویں صدی ہجری کے علماء اور ان کی علمی خدمات:-

تیرھویں صدی کے بعد محمد یعقوب نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ)، محمد مظہر نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ، استاذ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی)، سید عبدالباری سہسوانی (م ۱۳۰۲ھ)، ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)، صاحب

---

[۲۱۱] انوار اقبال ص ۲۰۷، وکذا فی فقہائے ہند تیرھویں صدی ہجری ۲/ ۱۸۰۔

الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ،الأجوبۃ الفاضلہ ، التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد ، عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ ، ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی ، تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار ، السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ ، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ) ، نور محمد ملتانی (تلمیذ ابوالحسنات لکھنوی ، صاحب تذکرۃ المنتہی فی رد اسکات المعتدی) ، محمد حسن سنبھلی (م ۱۳۰۵ھ ، صاحب تنسیق النظام فی ترتیب مسند الامام ابی حنیفۃ النعمان) ، احمد بن سید امیر حسن (م ۱۳۰۶ھ) ، امیر احمد بن سید امیر حسن (م ۱۳۰۶ھ) ، حامد حسین بن محمد الحسینی لکھنوی (م ۱۳۰۶ھ ، صاحب استقصاء الافحام فی الرد علی منتہی الکلام) ، محی السنہ نواب صدیق حسن خان قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ ، صاحب فتح البیان فی مقاصد القرآن ، ترجمان القرآن بلطائف البیان ، اکسیر فی اصول التفسیر ، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام کی شرح مسک الختام ، فتح العلام ، الروض البسام ، عون الباری لحل ادلۃ البخاری ، السراج الوہاج فی شرح مختصر الصحیح لمسلم بن الحجاج ، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین ، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ، ابجد العلوم ، ملک السعادۃ فی افراد اللہ تعالیٰ بالعبادۃ ، الدین الخالص ، تقصار تذکار جیود الاحرار ، النصح السدید بوجوب التوحید ، التفکیک عن انحاء الشرک ، اخلاص توحید ، اخلاد الفوائد الی التوحید بالعبادۃ ، دعائیۃ الایمان الیٰ توحید الرحمٰن ، الانفکاک عن اسم الاشراک ، اللواء المعقود لتوحید الرب المعبود ، منہاج العبید الی معراج التوحید ، استویٰ علی العرش ، بشارۃ الفساق ، عاقبۃ المتقین ، روزمرہ اسلام ، ارکان اربعہ ، توبہ عن الذنوب ، حادی الارواح ، تذکیر الناسی ، تکفیر الذنوب ، صلہ ارحام ، ایقاظ الرقود الی یوم الموعود وغیرہ) ،

رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ، صاحب ازالۃ الاوہام، معیار الحق، معدل اعوجاج المیزان، اور منبع الاحادیث)، حسام الدین مئوی (م ۱۳۱۰ھ)، عبید اللہ مالیر کوٹلوی (م ۱۳۱۰ھ، صاحب تحفۃ الہند)، حافظ محمد بن بارک لکھوی (م ۱۳۱۱ھ، صاحب تفسیر محمدی، احوال الآخرت، زینت اسلام)، رحیم بخش لاہوری (م ۱۳۱۲ھ، صاحب سلسلہ کتب اسلام)، محی الدین عبد الرحمن لکھوی (م ۱۳۱۲ھ)، مفتی محمد سعید خاں مدراسی (م ۱۳۱۲ھ، صاحب تکملہ تفسیر فیض الکریم)، بدیع الزماں حیدر آبادی (م ۱۳۱۲ھ، مترجم جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ)، فضل اللہ بن نعمت اللہ لکھنوی (م ۱۳۱۲ھ، استاذ شمس الحق عظیم آبادی)، عبد الاول غزنوی (م ۱۳۱۳ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، مترجم مشکوٰۃ المصابیح و ریاض الصالحین)، خواجہ الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء، صاحب مسدس)، فضل الرحمن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ، تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی)، ابو عبد الرحمن محمد فرید آبادی (م ۱۳۱۵ھ، تلمیذ حافظ عبد المنان وزیر آبادی و میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب الحواشی الجدیدۃ علی سنن المجتبیٰ للنسائی)، شاہ علی حبیب پھلواروی (م ۱۳۱۵ھ)، عبد السلام کیفی ندوی (م ۱۹۱۸ء، صاحب سیرت عمر بن عبد العزیز، اسوۂ صحابہ، شعر الہند)، فیض اللہ مئوی (م ۱۳۱۶ھ، استاذ علامہ مبارکپوری)، محمد بن ابراہیم آروی (م ۱۳۱۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، نواب محسن الملک مہدی علی خاں (م ۱۹۰۷ء، صاحب آیات بینات، مدفن علی گڑھ)، عبد الجبار بن نور احمد ڈیانوی (م ۱۳۱۹ھ)، قاضی محمد مچھلی شہری (م ۱۳۲۰ھ، تلمیذ شیخ عبد الحق بنارسی، سخاوت علی جونپوری، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ وغیرہ، صاحب فتوح العلام شرح بلوغ المرام)، عبد اللہ صادق پوری (م ۱۳۲۰ھ، استاذ علامہ مبارکپوری)، شیخ اجل و محدث دوراں

سید محمد نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ ، صاحب معیار حق فی الرد علی تنویر الحق ، الایمان یزید وینقص ، قراءۃ خلف الامام ، اثبات رفع الیدین ، توثیق تقویۃ الایمان حرمت نذر لغیر اللہ ، تردید بدعات حسنات وسیئات ، افضل البضاعۃ فی حقیقۃ الشفاعۃ ، دافعاء البلوی فی رد تقلید ، عمل اہل حرمین حجت شرعی نہیں ، رسالہ در مسئلہ نماز جمعہ فی القریۃ وفتاوی نذیریہ) ، محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۱ھ صاحب تبصرۃ الناقد) ، محمد سعید بنارسی (م ۱۳۲۲ھ ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی وشمس الحق عظیم آبادی وحافظ عبد المنان وزیر آبادی ، وعبد اللہ غازیپوری صاحب ہدایۃ المرتاب بجواب کشف الحجاب ، واوثق العری باقامۃ الجمعۃ فی القری) ، ظہیر احسن نیموی (م ۱۳۲۲ھ ، صاحب آثار السنن ، تعلیق الحسن) ، شاہ عین الحق پھلواروی (م ۱۳۲۳ھ ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی) ، سلامت اللہ جیراجپوری (م ۱۳۲۳ھ ، استاذ علامہ مبارک پوری) ، حافظ عبد اللہ غازی پوری (م ۱۳۲۳ھ ، تلمیذ محمد نذیر حسین دہلوی ، صاحب البحر المواج شرح مقدمہ صحیح مسلم بن الحجاج) ، رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ ، صاحب الکوکب الدری تعلیقات علی الترمذی ، ہدایۃ المعتدی ، گاؤں میں جمعہ کے احکام ، سبیل الرشاد ، مسئلہ غیب دانی ، فتاوی میلاد شریف ، ہدایۃ الشیعہ ، امداد السلوک ، زبدۃ المناسک ، فتاوی رشیدیہ) ، ابو الحسن سیالکوٹی (م ۱۳۲۵ھ ، صاحب فیض الستار ترجمہ کتاب الآثار ، تلخیص الصحاح ، ترجمۃ الاکمال فی اسماء الرجال وفیض الباری شرح صحیح بخاری) ، محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی ، صاحب الحق الصریح فی اثبات حیاۃ المسیح ، القول المحقق المحکم فی زیارۃ الحبیب الاکرم ، القول المحمود فی رد جواز السجود ، برہان العجاب ، فرضیۃ فاتحہ خلف الامام) ،

محمد اشرف عظیم آبادی (م ۱۳۲۶ھ، اخو المحدث العظیم آبادی)، فاروق چڑیاکوٹی (م ۱۳۲۷ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی (م ۱۳۲۷ھ، صاحب تعلیقات علی المجتبیٰ، التحفۃ المرضیۃ فی حل بعض المشکلات الحدیثیۃ)، شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، بشیر الدین قنوجی و حسین بن محسن الیمانی وغیرہم، صاحب فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری، النجم الوہاج شرح مقدمہ صحیح مسلم بن الحجاج، غایۃ المقصود شرح سنن ابو داود، تعلیقات علی النسائی، جوابات الزامات الدارقطنی علی الصحیحین، التعلیقات علی اسعاف المبطأ برجال الموطأ، دفع الالتباس عن بعض الناس، الکلام المبین فی الجہر بالتأمین والرد علی القول المتین، ہدایۃ اللوذعی بنکات الترمذی، التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی، عون المعبود شرح سنن ابو داود)، محمود الحسن اسیر مالٹا (م ۱۳۳۹ھ، صاحب ایضاح الادلۃ، مختصر المعانی، تقاریر شیخ الہند)، عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی و حافظ عبدالمنان وزیر آبادی و شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ)، عبدالرحیم مبارک پوری (م ۱۳۳۰ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، ڈپٹی حافظ نذیر احمد دہلوی (م ۱۳۳۰ھ، صاحب تسہیل القرآن، حقوق الفرائض)، محمد عبدالاحد (م ۱۳۳۰ھ، مصحح تحفۃ الہند)، سید عبدالکبیر بہاری (م ۱۳۳۱ھ)، سید عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ، صاحب سیرۃ النبی، سیرۃ النعمان، الغزالی، الفاروق، المامون، سوانح مولانا روم، پرانے چراغ، خطبات شبلی، الکلام و علم الکلام)، شاہ عین الحق پھلواروی (م ۱۳۳۳ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، خدا بخش میراج گنجی (م ۱۳۳۳ھ

استاذ علامہ مبارک پوری) ، حافظ عبد المنان وزیر آبادی (م ۱۳۳۴ھ، تلمیذ مولانا عبد الجبار محدث، میاں محمد نذیر حسین دہلوی وغیرہ) ، محمد تلطف عظیم آبادی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی و بشیر الدین و حسین بن محسن الیمانی وغیرہ) ، ابو عبداللہ ادریس بن ابی الطیب ڈیانوی (تلمیذ عبداللہ غازی پوری، میاں محمد نذیر حسین دہلوی، شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ)، سید محمد عبد الحفیظ (ابن الاخ و زوج بنت البنت سید میاں محمد نذیر حسین دہلوی) ، ابو تراب رشد اللہ شاہ الراشدی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر) ، قدرت اللہ شاہ الراشدی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی) ، عبد الحلیم شرر (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، مترجم الاتقان فی علوم القرآن، کتاب التوحید وغیرہ)، ابو سعید محمد حسین (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری) ، عبد الحق الٰہوی اعظم گڈھی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب تجنیس تدلیس ترجمہ تلبیس ابلیس لابن الجوزی) ، قاضی احتشام الدین (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب اختیار الحق)، شہود الحق (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب بحر زخار بجواب انتصار الحق) ، برہان الدین ہوشیار پوری (استاذ حافظ عبد المنان وزیر آبادی) ، عظمت اللہ (استاذ عبد العزیز رحیم آبادی) ، یحییٰ بہاری (استاذ عبد العزیز رحیم آبادی)، محمود عالم (استاذ عبد العزیز رحیم آبادی)، عبد السلام (م ۱۳۲۵ھ) ، احمد اللہ امرتسری (م ۱۳۳۶ھ) ، عبد العزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان، سواء الطریق، ہدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی، رسالہ

الوضوء، رمی الجمرہ، روئداد مناظرہ مرشد آباد)، عبداللہ محدث غازیپوری (م ۱۳۳۷ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، رفیع الدین شکرانوی (م ۱۳۳۷ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، عبدالمنان بقا (م ۱۳۳۷ھ)، مفتی عبداللطیف سنبھلی (م ۱۳۳۷ھ)، محمد حسین لاہوری (م ۱۳۳۸ھ)، ابو یحییٰ محمد بن کفایت اللہ شاہجہاں پوری (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب تکملہ حواشی جدیدہ علی سنن المجتبیٰ للنسائی) وحید الزماں حیدر آبادی (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ مفتی عنایت اللہ، سلامت اللہ کان پوری، عبدالحی لکھنوی، محمد بشیر الدین قنوجی، عبدالحق بنارسی، لطف اللہ علی گڑھی، میاں محمد حسین دہلوی، حسین بن محسن الیمانی، فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی وغیرہ، صاحب تفسیر وحیدی، تبویب القرآن، لغات الحدیث، تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری، تسہیل القاری، العلم ترجمہ صحیح مسلم، جائزۃ الشعوذی، معطا ترجمہ مؤطا، زہر الربی ترجمہ سنن المجتبیٰ للنسائی، الہدی المحمود، رفع العجاجہ، کشف الغطاء، اشراق الابصار ترجمہ سنن ابو داود، تصحیح کنز العمال وغیرہ)، محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب فتح الباری فی ترجیح البخاری)، ابو الوزیر احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب احسن التفاسیر، احسن الفوائد، تلخیص الانظار فیما بنی علیہ انتصار بجواب انتصار الحق، حاشیہ بلوغ المرام، تنقیح الرواۃ تخریج احادیث المشکوٰۃ)، امیر احمد سہسوانی (م ۱۳۳۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، محمد علی جوناگڈھی (م ۱۳۴۰ھ، صاحب اربعین محمدی، ارشاد محمدی، انعام محمدی، اشعار محمدی، امام محمدی، ایمان محمدی، برہان محمدی، تعویذ محمدی، تحفہ محمدی، تعلیم محمدی، توحید محمدی،

تفسیر محمدی، ثعبان محمدی، نصیحت محمدی، نکاح محمدی، نور محمدی، وضوء محمدی، قطبغہ محمدی، وظائف محمدی، ہدایت محمدی، حیات محمدی، حجت محمدی، خطبہ محمدی، خطبات محمدی، خطاب محمدی، درود محمدی، دلائل محمدی، دین محمدی، ذمہ محمدی، ایمان محمدی، رکوع محمدی، زیارت محمدی، سراج محمدی، سلام محمدی، سیرت محمدی، سیف محمدی، شمع محمدی، صدائے محمدی، صلوٰۃ محمدی، صیام محمدی، صراط محمدی، صمصام محمدی، ضرب محمدی، طریق محمدی، ظفر محمدی، عقیدۂ محمدی، عقائد محمدی، عصائے محمدی، غنیہ محمدی، فرمان محمدی، فیصلہ محمدی اور فضائل محمدی وغیرہ)، محمد عبدالسلام مبارک پوری (م سنہ ۱۳۴۲ھ، صاحب سیرۃ البخاری)، عبدالرحیم غزنوی (م سنہ ۱۳۴۲ھ)، عبدالقادر لکھنؤی (م سنہ ۱۳۴۲ھ)، عبدالحی الحسنی (م سنہ ۱۳۴۲ھ، صاحب نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر)، ابوعبداللہ محمد بن جمال الدین بھوجیانی امرتسری (م سنہ ۱۳۴۳ھ)، عبدالباری فرنگی محلی (م سنہ ۱۳۴۴ھ)، خلیل احمد سہارنپوری (م سنہ ۱۳۴۶ھ، صاحب بذل المجہود فی حل سنن ابی داود)، سید ابوالحبیب (م سنہ ۱۳۴۶ھ، تلمیذ عبداللہ غازی پوری)، شوکت علی (م سنہ ۱۳۴۶ھ)، قاضی محمد سلیمان منصور پوری (م سنہ ۱۳۴۸ھ، صاحب غایت المرام، رحمت للعالمین، الجمال والکمال تفسیر سورہ یوسف، تاریخ المشاہیر، شرح اسماء حسنیٰ، خطبات سلیمانی، سبیل الرشاد، المسیح علی الجوربین)، غلام نبی ربانی سوہدروی (م سنہ ۱۳۴۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، احمد اللہ پرتاب گڑھی (م سنہ ۱۳۴۸ھ، تلمیذ بشیر سہسوانی، شمس الحق عظیم آبادی، صاحب برہان العجاب فی فرضیۃ قراءۃ خلف الامام)، احمد اللہ محدث دہلوی (م سنہ ۱۳۴۸ھ)، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (م سنہ ۱۹۳۸ء، صاحب تاریخ اسلام)،

محمد علی جوہر (م ۱۳۴۹ھ)، نواب سلطان جہاں بیگم بھوپالی (م ۱۳۴۹ھ)، عبدالواحد غزنوی (م ۱۳۴۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، عبدالرحمٰن ولایتی (م ۱۳۴۹ھ)، محمد اقبال سیالکوٹی (م ۱۹۳۸ء، صاحب رموز بیخودی، خطوط اقبال، اقبال نامہ، بال جبریل، بانگ درا وغیرہ)، عبدالوہاب دہلوی (م ۱۳۵۱ھ)، عبدالحامد بدایونی (م ۱۳۵۱ھ)، عبدالغفور غزنوی (م ۱۳۵۲ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، عبدالجبار عمر پوری (م ۱۳۵۲ھ)، مناظر احسن گیلانی (صاحب تدوین قرآن، تدوین حدیث، تذکرہ شاہ ولی اللہ، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، مقالات احسانی، النبی الخاتم، مقدمہ تدوین فقہ، تفسیر سورہ کہف، ابوذر غفاری وغیرہ)، انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ، صاحب کشف الستر، فصل الخطاب، نیل الفرقدین، فیض الباری شرح صحیح البخاری العرف الشذی، گنجینۂ اسرار، خاتم النبیین)، محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری (م ۱۳۵۲ھ، تلمیذ عبداللہ محدث غازیپوری، میاں محمد نذیر حسین دہلوی، فیض اللہ مئوی، حسام الدین مئوی، عبدالرحیم مبارک پوری وغیرہ، صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، ابکار المنن فی تنقید آثار السنن، شفاء العلل، المقالۃ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنی، تحقیق الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام، خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون، کتاب الجنائز، نور الابصار، ضیاء الابصار، تنویر الابصار، القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید، الدر المکنون فی تائید خیر الماعون، الوشاح الابریزی فی حکم الدواء الانکلیزی، ارشاد الہائم الی منع خصاء البہائم، التکملۃ الحسنیٰ فی تائید المقالۃ الحسنیٰ، مسائل عشر، مرتب فتاوی نذیریہ و فتاوی عبداللہ محدث غازیپوری)، عبدالغفور غزنوی (م ۱۳۵۲ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین

دہلوی، صاحب حمائل غزنوی)، عبدالقادر قصوری (م ۱۳۶۱ھ)، ابوالمکارم محمد علی ہنوتی (م ۱۳۵۲ھ، صاحب المذہب المختار فی الرد علی جامع الآثار) محمد بن یوسف سواتی (م ۱۳۶۱ھ)، اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ، صاحب تفسیر بیان القرآن، بہشتی زیور، مناجات مقبول، امداد الفتاوی، تربیت السالک، نشر الطیب، فتاوی اشرفیہ، تسہیل المواعظ، مقالات صوفیہ، عرفان حافظ وغیرہ)، عبدالحفیظ اعظم گڑھی (م ۱۳۶۳ھ)، محمد عبدالباقی لکھنوی (م ۱۳۶۴ھ)، عبدالتواب ملتانی (م ۱۳۶۶ھ، صاحب تعلیقات علی مصنف ابن ابی شیبہ، حواشی علی مسند عمر بن عبدالعزیز و قیام اللیل للمروزی و حاشیہ علی ابی الحسن السندی علی صحیح مسلم، اردو ترجمہ صحیح بخاری و بلوغ المرام)، ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، بیان القرآن علی علم البیان، تفسیر ثنائی، نقہ اور فقیہ، اجتہاد و تقلید، اربعین ثنائیہ، حجیت حدیث، اتباع رسول، شمع توحید، حق پرکاش بجواب ستیا تھ پرکاش، مسیحیت اور اسلام، مقدس رسول بجواب رنگیلا رسول، رسالہ دید اور گوشت خوری، رسائل در رد قادنیت، ہفت روزہ اخبار اہل حدیث وغیرہ)، عبیداللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء، صاحب شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ وغیرہ، مدفن خانپور)، حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (م ۱۳۶۹ھ)، فیض الحسن سہارنپوری (استاذ شیخ جماعت علی شاہ)، قاضی عبدالرحمٰن محدث پانی پتی (استاذ جماعت علی شاہ)، ابوالقاسم سیف بنارسی (م ۱۳۶۹ھ، صاحب حل مشکلات البخاری بجواب الجرح علی البخاری لدکتور عمر کریم، الامر المبرم، ماء حمیم، صراط مستقیم، الریح العقیم، العرجون القدیم)، شبیر احمد

عثمانی (م ۱۳۶۹ھ، صاحب فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، تفسیر عثمانی، اعجاز القرآن، حیات شیخ الہند، العقل والنقل، مسئلہ تقدیر، فضل الباری شرح صحیح البخاری)، نذیر احمد املوی اعظم گڈھی (م ۱۳۶۹ھ)، جماعت علی شاہ (م ۱۳۷۰ھ)، کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ، صاحب تعلیم الاسلام)، مولانا عطاء اللہ لکھوی (م ۱۳۷۲ھ)، سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ، صاحب تاریخ ارض القرآن، حیات مالک، خطبات مدراس، سیرت عائشہ، مقالات سید سلیمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی، بریدفرنگ، اہل سنت والجماعت، رحمت عالم، سیرت النبی، نقوش سلیمانی، حیات شبلی، اسلام کے سیاسی نظام کی تدوین)، میر محمد ابراہیم سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ، تلمیذ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی و میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب شہادۃ القرآن، سلم الوصول الی اسرار سراء الرسول، تاریخ اہل حدیث، تفسیر سورہ فاتحہ، نزول ملائکہ والروح الی الارض، آئینہ قادیانی، اعجاز القرآن، تاریخ نبوی، اخلاق محمدی، عصمت انبیاء، تائید القرآن، تعلیم القرآن، احکام المرام، سیرت مصطفیٰ وغیرہ)، عبدالسلام ندوی (م ۱۳۷۶ھ)، ابوالکلام آزاد (م ۱۳۷۸ھ، صاحب ترجمان القرآن، ام الکتاب تفسیر سورہ فاتحہ، شہادت حسین، ولادت نبوی، اصحاب کہف، رسول رحمت، قرآن کا قانون عروج و زوال، غبار خاطر، آزادی ہند، نقش آزاد، مقالات ابوالکلام، مکاتیب ابوالکلام وغیرہ)، احمد سعید دہلوی (م ۱۳۷۸ھ، صاحب تفسیر کشف الرحمٰن، وعظ سعید، معجزات رسول، صلوٰۃ وسلام)، عبدالمجید سوہدروی (م ۱۳۷۹ھ، صاحب عمدۃ الاحکام، انتخاب الصحیحین)، اسلم جیراجپوری (م ۱۹۵۶ء، صاحب

تاریخ القرآن، حیات حافظ، حیات جامی، الوراثۃ فی الاسلام، تاریخ الامت)، ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی (م ۱۳۸۱ھ، صاحب تکملہ تنقیح الرواۃ، شرح ابن ماجہ، حاشیہ نصب الرایۃ)، عبدالجبار محدث کھنڈیلوی (م ۱۳۸۲ھ، تلمیذ علامہ مبارک پوری، صاحب اختلاف خاتمہ، ازالۃ الحیرۃ عن فقاہت ابی ہریرۃ، مقاصد الامامہ، اتمام الحجۃ، مقدمہ صحیح بخاری، حاشیہ صحیح بخاری)، سید محمد داود راز (م ۱۳۸۳ھ)، سید محمد داود غزنوی (م ۱۳۸۳ھ)، حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی (م ۱۳۸۴ھ، تلمیذ شمس الحق عظیم آبادی و میاں محمد نذیر حسین دہلوی و بشیر سہسوانی وغیرہ، صاحب تخریج آیات الجامع الصحیح للبخاری، شرح مشکوٰۃ المصابیح، شرح سنن ابن ماجہ و مسند احمد، مودودیت اور حدیث نبویہ، اہل حدیث کی تعریف، اہل سنت کی تعریف)، مسعود عالم ندوی (م ۱۳۸۵ھ، صاحب ہندوستان کی پہلی اسلامی تاریخ، محمد بن عبدالوہاب ایک بدنام مصلح)، ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۳۸۵ھ، صاحب تراجم علمائے اہل حدیث ہند)، عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی (م ۱۳۸۶ھ، صاحب طلیعۃ التنکیل، مقام ابراہیم، الانوار الکاشفہ، اغاثۃ العلماء من طعن صاحب الوراثۃ، تعلیق علی التاریخ الکبیر، خطأ الامام البخاری فی تاریخہ، تصحیح تذکرۃ الحفاظ للذہبی، تصحیح الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، تصحیح موضح اوہام للخطیب البغدادی، المعانی الکبیر لابن قتیبہ، الفوائد المجموعہ للشوکانی، الاکمال لابن ماکولا، الانساب للسمعانی، السنن الکبریٰ للبیہقی، مسند ابی عوانہ، کفایہ فی علم الروایۃ للخطیب البغدادی، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، المنتظم لابن الجوزی وغیرہ)، محمد اسمٰعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ، صاحب

حجیت حدیث وغیرہ)، ظفر احمد تھانوی عثمانی (م ۱۳۹۴ھ، صاحب اعلاء السنن، انہاء السکن)، عبد السلام بستوی (م ۱۳۹۴ھ)، سید ابو بکر غزنوی (م ۱۳۹۶ھ) عبد الماجد دریا بادی (م ۱۳۹۸ھ، صاحب تفسیر ماجدی، نورانی جہیز، تصوف اور اسلام، بشریت انبیاء، معاصرین، آپ بیتی)، مفتی محمد شفیع (صاحب معارف القرآن، فتاویٰ دار العلوم، جواہر الفقہ، کشکول، مقام صحابہ، علامات قیامت، نزول مسیح، ضبط ولادت وغیرہ)، عبد الشکور لکھنوی (صاحب علم الفقہ، فتنہ ابن سبا، تاریخ مذہب شیعہ، خلفائے راشدین)، ابو المحاسن قائم بن صالح السندی (صاحب فوز الکرام بما ثبت فی وضع الیدین تحت السرۃ او فوقہا تحت الصدر عن التشفیع المظلل بالغمام)، حمید الدین فراہی (صاحب مجموعہ تفسیر فراہی، اقسام القرآن، ذبیح کون ہے؟ مقدمہ نظام القرآن، اصول التاویل، احکام الاصول، حاشیہ شرح مؤطا، استاذ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تدبر قرآن)، حفظ الرحمٰن سیوہاروی (صاحب قصص القرآن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، البلاغ المبین، اسلام کا اقتصادی نظام)، حسین احمد مدنی (صاحب حلیۃ المسلمین، الشہاب الثاقب، نقش حیات، سلاسل طیبہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، عقائد علمائے دیوبند، حسام الحرمین)، محمد ادریس کاندھلوی (صاحب حیات الصحابہ، سیرۃ المصطفیٰ، شرح مشکوٰۃ المصابیح)، محمد یوسف کامل پوری (صاحب تکملۃ الحاشیہ علی تخریج الزیلعی)، سر سید احمد خاں (صاحب تفسیر احمدی، آثار الصنادید، مکاتیب سر سید)، سر راس مسعود، یوسف بنوری (صاحب معارف السنن)، عبد الرزاق ملیح آبادی (صاحب ترجمہ الوسیلہ لابن تیمیہ)، امیر علی (تلمیذ عبد الحی

لکھنوی صاحب التذنیب)، فضل اللہ حیدر آبادی (صاحب فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد للبخاری)، عبدالعزیز پنجابی (صاحب تعلیق علی نصب الرایہ للزیلعی، اطراف البخاری)، اکرم بن عبدالرحمٰن السندی (صاحب امعان النظر بشرح نخبۃ الفکر)، ولی اللہ فرخ آبادی (صاحب المطر الثجاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج بلسان الفارسی)، محمود حسن ٹونکی (صاحب معجم المصنفین)، محمد بن قاسم حیدر آبادی (صاحب القول المستحسن فی فخر الحسن)، عبدالحق الہ آبادی (صاحب تقریر شرح المناسک لعلی القاری)، محمد بدر عالم میرٹھی (صاحب تعلیقات علی فیض الباری للعلامہ انور شاہ کشمیری، ترجمان السنہ، جواہر الحکم)، بحر العلوم لکھنوی (صاحب تنویر المنار)، ولی اللہ لکھنوی (صاحب شرح مسلّم الثبوت)، حیدر علی فیض آبادی (صاحب منتہی الکلام)، ملا جیون (صاحب تفسیر احمدی)، اللہ داد جونپوری (محشی ہدایہ)، مہدی حسن شاہجہاں پوری (صاحب شرح کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی)، فخر الحسن گنگوہی (محشی سنن ابی داود)، مرزا حیرت دہلوی (صاحب حل صحیح البخاری)، سراج احمد سرہندی (شارح ترمذی)، عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی)، حکیم محمد اشرف سندھو (صاحب مقیاس حقیقت بجواب مقیاس حنفیت، پیغام جیلانی، مقام اہل حدیث، رکعات قیام رمضان من اقوال اصحاب النعمان، فرقہ ناجیہ، البشری بسعادۃ الدارین فی سوانح سید نذیر حسین، بریلوی عقائد و اعمال، بریلویت کا پس منظر، تصور شیخ کا پس منظر، عقیدہ حیات النبی، اکمل البیان فی شرح حدیث نجد قرن الشیطان، اکابر علماء دیوبند کا مذہب، فرقہ وجودیہ کی اصلیت

اور بیہایان وغیرہ) ، اسد علی اسلام آبادی ، سید شاہجہاں ، شیخ نذیر فریدی اعظمی ، حافظ شاہ محمد نعیم عطاء ، ابو اسماعیل یوسف حسین خان پوری ہزاروی ، احمد علی سہارنپوری ، محمد بن بارک اللہ پنجابی ، محمد ادریس نگرامی ، عبد السلام قدوائی ندوی ، عبد المجید سالک ، فضل الحق خیر آبادی ، آزاد سبحانی ، محمد اسحاق سندیلوی ، حمید اللہ حیدر آبادی ، جعفر حسین ، احمد حسن امروہوی ، حسین علی میانوالی ، یوسف کاندھلوی ، محمد الیاس میواتی (بانی تبلیغی جماعت) ، نور الحسن کاندھلوی ، امام علی الحق سیالکوٹی ، ملا کمال کشمیری ، قطب الدین سہالوی ، کریم الدین عثمانی ، غلام حیدر بن شیخ ہدایت اللہ عظیم آبادی ، ابو عبد اللہ غلام حسن سیالکوٹی ، فضل الرحمٰن مراد آبادی ، فضل الرحمٰن بن حاجی عبد السمیع مبارک پوری ، لطف اللہ علی گڑھی ، حفیظ اللہ علی گڑھی ، غلام علی قصوری ، علامہ سنبھلی (صاحب احیاء السنن) قاضی بدر الدولہ مدراسی (صاحب تفسیر فیض الکریم) ، عبد اللہ الہ آبادی ، محمد سعید مغل پوری ، نور اللہ بن شہباز الہندی ، عبد القدوس گنگوہی ، محب اللہ الہ آبادی ، امان اللہ پانی پتی ، ڈاکٹر محمد رفیع الدین ، احسان اللہ شاہ ابن ابی تراب رشد اللہ شاہ الراشدی ، محمد خلیل بن محمد سلیم خیر پوری ، حافظ فتحی جہلمی ، بہاء الدین خاں جلال آبادی ، قطب الدین ہانسجوی ، نور عیسیٰ خیلی ، عبد الکریم نواب شاہی ، ابو اسحٰق نیک محمد امرتسری (خلیفہ عبد الجبار غزنوی) ، بشیر احمد ملتانی ، عطاء اللہ لکھوی ، حافظ گوندلوی ، عبد القادر حصاری ، عنایت اللہ وزیر آبادی ، ابو محمد عبد الستار ، محمد یوسف کلکتوی ، عبد الشکور شکراوی ، عبد الجلیل سامرودی سورتی ، شفیع محمد المنکیو سکرندی ، عاشق الٰہی میرٹھی ، سعید احمد اکبر آبادی ، حکیم محمد صادق سیالکوٹی ، عبد القہار ، محمد یونس دہلوی ،

حکیم عبدالسمیع شفا اثری (صاحب ترجمہ صاحب تحفۃ الاحوذی، علم غیب، اہل بیت رسول)، سید تقریظ احمد سہوانی، سید ابوالاعلیٰ مودودی (صاحب تفہیم القرآن، پردہ، خلافت وملوکیت، الجہاد فی الاسلام، رسالہ دینیات، ہندوستان کی سیاسی کشمکش، رسائل ومسائل، خطبات، سیرت سرور دوعالم وغیرہ)، محمد زکریا کاندھلوی (صاحب اوجز المسالک فی شرح مؤطا امام مالک، تاریخ مشائخ چشت، مکتوبات تصوف، صحبت با اولیاء، انعام الباری شرح اشعار البخاری، شمائل ترمذی، تبلیغی نصاب، فضائل حج وغیرہ)، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (صاحب التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی) اور علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید (صاحب الشیعۃ واہل البیت، الشیعۃ والسنۃ، الشیعۃ والقرآن، الشیعۃ والتشیع، البریلویۃ، القادیانیہ، البہائیہ، الاسماعیلیہ، البابیہ، التصوف، بین الشیعۃ واہل السنۃ) وغیرہ جیسے مشاہیر علماء پیدا ہوئے لیکن ان میں سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، میاں سید نذیر حسین دہلوی، شیخ حسین بن محسن الیمانی، عبداللہ محدث غازی پوری، شمس الحق عظیم آبادی اور عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہم اللہ کو جو مقام حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آیا۔ ذیل میں ہم اس صدی کے چند مشاہیر کا تذکرہ کریں گے:

عبدالجبار غزنوی:۔ ابنائے غزنویہ میں عبدالجبار غزنوی تقویٰ وطہارت، زہد وورع اور علم وفضل میں سب سے فائق تھے۔ ان کے زبان وبیان کی تاثیر کا عالم شبلی نعمانی کے ان کلمات سے بخوبی ہوسکتا ہے:

"جس وقت وہ شخص اپنی زبان سے اللہ کا نام لیتا تھا تو بے اختیار جی چاہتا تھا کہ سر ان کے قدموں پر رکھ دیجئے۔" [۲۱۲]

حافظ عبد المنان وزیر آبادی :۔ آپ کے متعلق سید عبد الحی لکھتے ہیں:

"أخذ عنده خلق لا یحصون بحد وعد." [۲۱۳]

یعنی "ان سے بے حد حساب مخلوق نے علم حاصل کیا۔"

مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، حافظ محمد گوندلوی مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد علی لکھوی اور مولانا عبد المجید سوہدروی سے آپ کے مشہور تلامذہ گزرے ہیں۔ کسی شاعر نے آپ کے متعلق کیا خوب کہا ہے ؎

وہ ساقی کوثر سنت وزیر آباد میں لایا
اٹھا کر فیض دہلی سے یہاں پنجاب میں لایا
وہ نابینا تھا لیکن بینا دل کا رہبر تھا
عصا توحید کا رکھتا تھا ضیائے سنت سے انور تھا

ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی :۔ مولانا عبد الحی لکھنوی اگرچہ حنفی المسلک تھے لیکن متعدد فقہی مسائل میں آں رحمہ اللہ نے اپنے فقہاء کی

---

[۲۱۲] پرانے چراغ ۲/۲۷۶۔ [۲۱۳] ثقافت ہند ص ۱۴۲۔

آرادے جرأتمندانہ اختلاف کرتے ہوئے سنت کو ترجیح دی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض علماء حنفیہ کو ان کا یہ محققانہ طرز بالکل نہ بھایا تو انھوں نے آں رحمہ اللہ پر یہ حکم لگا دیا: "الا أن لہ بعض آراء شاذۃ لاتقبل فی المذہب" یعنی "ان کی بعض آراء شاذ ہیں جو مذہب حنفیہ میں قابل قبول نہیں ہیں۔"

افسوس کہ جب فاضل لکھنوی کے شاگرد ظہیر احسن نیموی نے اپنے استاذ کی محققانہ روش ترک کر کے مقلدانہ طرز کو اختیار کیا تو انہی متعصب علماء نے ان کی "مساعی" کو سراہتے ہوئے مولانا عبدالحی کا "کفارہ" قرار دیا۔ فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ [214]

شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ :۔

جب شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے لگے تو اپنا جانشین ایک ایسے شخص کو بنایا جو اپنے زمانہ کا منفرد، اپنے وقت کا قطب، مرجع آفاق بالاتفاق، استاذ عرب وعجم اور تیرہویں صدی ہجری کا مجدد اعظم تھا یعنی شیخ اجل میاں سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ۔

شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی مسند درس وافتاء پر آپ بارہ سال تک مختلف علوم وفنون کی تمام متداولہ کتب کا درس دیتے رہے پھر آپ پر قرآن وحدیث کے درس وتدریس کی محبت غالب آگئی چنانچہ آپ نے ان علوم شریفہ کے علاوہ باقی دوسرے تمام علوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی مگر فقہ سے یک گونہ اشتغال باقی رہا۔ آخر عمر تک آں رحمہ اللہ ان علوم کے درس وتدریس میں مصروف رہے۔

---

[214] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجلہ "برہان" دہلی ص۵۵ مجریہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۱ء۔

سنہ ۱۲۷۰ھ تا سنہ ۱۳۲۰ھ تک تقریباً باسٹھ سال آپ کا یہ فیض جاری رہا۔ علوم حدیث پر آپ کی نظر اس قدر وسیع تھی کہ لوگ آپ کو "بیہقیٔ وقت" پکارا کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد تقی الدین الہلالی المراکشی (سابق استاذ حدیث الجامعۃ الاسلامیہ، المدینۃ المنورۃ) فرماتے ہیں کہ: "آپ اپنے وقت کے امام بخاری تھے"۔[215] بعض سوانح نگاروں نے آپ کے تلامذہ کی تعداد پانچ صد نام بنام لکھی ہے لیکن آپ کے ایک نامور شاگرد علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے آپ کے تلامذہ میں سے محققین کاملین کی تعداد ایک ہزار تک اور باقی تلامذہ کی تعداد کئی ہزار تک بیان کی ہے۔[216]

آپ کے تلامذہ میں ہندوستان کے علاوہ حجاز، مصر، شام، یمن، بلخ، بدخشاں، سمرقند، نجد اور بخارا وغیرہ کے طلباء بھی شامل تھے۔ آپ کی درس گاہ سے فیضیاب ہونے والے یہ ہزارہا جویانِ علم و دانش اقطاعِ عالم میں پھیل کر دین کی اشاعت و خدمت میں مصروف ہوئے اور ناقابلِ فراموش علمی خدمات انجام دیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی آپ کی درس گاہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "علمائے اہل حدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمت قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانہ علمائے اہل حدیث کا

---

[215] مجلہ صوت الجامعہ بنارس، مجریہ ماہ فروری سنہ ۱۹۷۴ء۔

[216] مقدمہ غایۃ المقصود ص ۱۳۔

مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کر رہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید نذیر حسین صاحب کی مسند درس بچھی تھی اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق و مغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے"۔[217]

مولانا ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی آپ کے چند مشہور تلامذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"السید عارف باللہ مولٰنا عبداللہ غزنوی، آپ کے صاحب زادہ عالی السید مولٰنا عبدالجبار غزنوی، شیخ پنجاب مولٰنا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، مولٰنا حافظ عبداللہ مبارک پوری، صاحب عون المعبود مولٰنا شمس الحق عظیم آبادی ڈیانوی، مولٰنا عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، مولٰنا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولٰنا شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا امیر حسن، مولانا امیر احمد اور مولانا محمد بشیر ساکنین قصبہ سہسوان"۔[218]

شیخ الکل رحمہ اللہ اپنی حدیثی خدمات کے متعلق بجا طور پہ فرمایا کرتے تھے کہ: "میں نے صحاح ستہ کو گلستاں و بوستاں کر دیا ہے"۔

مولوی سید امیر علی حنفی شیخ الکل رحمہ اللہ سے اپنی سند بیان کرتے

---

[217] تراجم علمائے حدیث ہند ۱/۳۶۔

[218] ہندو۔۔۔ میں اہل حدیث کی علمی خدمات صہ ۲۷۔

ہوئے کس درجہ احترام واکرام کو ملحوظ رکھا کرتے تھے ملاحظہ فرمائیں:

"إن إسنادی اتصل إلی الشیخ الإمام المصنف رحمه الله تعالی، عن شیخنا الإمام شرف الأنام الزاهد العابد العالم الربانی الذی ما أحسبنی رأیت مثله بعینی هاتین مولانا سید نذیر حسین الدهلوی" [219]

یعنی "میری سند شیخ امام مصنف (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) تک ہمارے شیخ امام، شرف الانام، زاہد وعابد، عالم ربانی کہ ان جیسا میری ان دونوں آنکھوں نے کسی کو نہیں دیکھا مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے واسطہ سے پہنچتی ہے"۔

شیخ الکل رحمہ اللہ کی عظمت کا بخوبی اندازہ ایک مشہور صوفی خواجہ غلام فرید کے مندرجہ ذیل قول سے بھی لگایا جا سکتا ہے، منقول ہے:

"حضرت خواجہ محمد بخش نے عرض کیا کہ حضور لوگ مولوی نذیر حسین کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں، وہ کیسے آدمی تھے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا میں اس کی مانند کوئی نہ ہو۔ چنانچہ آج کل کے زمانے میں علم حدیث میں ان کی کوئی نظیر نہیں نیز وہ اس قدر بے نفس ہیں کہ اہل اسلام کے کسی فرقے کو برا نہیں کہتے اگرچہ لوگ ان کو منہ پر برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو برا نہیں کہتے"۔ [220]

---

[219] التذنیب ص ۲۴۔ [220] ارشادات فریدی مترجم مقبوس ۸۵ ص ۹۶۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ: ۔ اس صدی کی ایک اور اہم شخصیت یعنی محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے تاثرات آپ نے اوپر ملاحظہ فرمائے ۔ سابقہ صفحات میں آپ کی بلند پایہ علمی تصانیف کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے ۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی آں رحمہ اللہ کے لئے بجا طور پر "بحراً زخاراً لاساحل لہ" فرمایا کرتے تھے ۔ مولوی امام خاں نوشہروی فرماتے ہیں :

"السید نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی مرحوم کی دستار فضیلت جس وقت طرۂ شاہانہ سے مزین ہوئی تو ریاست بھوپال ایک سرے سے منبع علم و مرجع علماء ہو گئی ۔ حضرت والا جاہ علیہ الرحمہ نے ایک محفل علم سجائی ۔ مولانا قاضی بشیر الدین صاحب قنوجی مرحوم ، مولانا قاضی محمد مچھلی شہری ، مولانا سلامت اللہ جے راج پوری ، شیخ حسین عرب یمنی ، مولانا محمد بشیر سہسوانی بھوپال میں تشریف فرما ہیں ۔ متعدد مدارس علم و فن قائم ہوئے ، طلباء کھچے چلے آ رہے ہیں ۔ ریاست کے تمام مسلمان اس خدمت کی دینی برکتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں ۔ گویا کہ علم و فن کے اعتبار سے بھوپال کی قسمت ہی جاگ اٹھی ۔" [221]

اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی فرماتے ہیں :

---

[221] ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ص ۲۶ ۔

"نواب صاحب اصولاً شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی نقطۂ نظر کی بنیاد پر ۱۲۶۸ھ میں بلوغ المرام کی فارسی شرح مسک الختام، ۱۲۹۴ھ میں تجرید صحیح بخاری للشرحی کی شرح عون الباری، ۱۲۹۹ھ میں تلخیص صحیح مسلم للمنذری کی شرح السراج الوہاج تالیف فرمائیں۔ علاوہ ازیں اصحابِ تحقیق کے لئے اگر ایک طرف ہزاروں کے صرفہ سے ۱۲۹۷ھ میں نیل الاوطار، ۱۳۰۰ھ میں ۵۰ ہزار روپے خرچ کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری بولاق مصر سے شائع کرائیں تو دوسری طرف صحاح ستہ بشمول مؤطا امام مالک کے اردو تراجم و شروح لکھوا کر شائع کرنے کا بھی اہتمام کیا تاکہ عوام براہ راست علوم و سنت کے انوار سے متمتع ہو سکیں۔"[222]

اہل عرب میں سے علامہ محمد منیر الدمشقی[223]، علامہ عبدالعزیز الخولی اور ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب وغیرہ نے بھی علامہ نواب صدیق حسن خاں کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے لیکن ان کا تذکرہ طولِ محض کا باعث ہوگا۔

علامہ سید حسین بن محسن یمنی: اس صدی کی ایک اور اہم شخصیت علامہ سید حسین بن محسن یمنی کے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی

---

[222] پندرہ روزہ "ترجمان" دہلی مجریہ مارچ ۱۹۶۸ء۔

[223] انموذج ص ۳۸۸ بحوالہ پندرہ روزہ "ترجمان" دہلی مجریہ مارچ ۱۹۶۸ء۔

الحسنی الندوی صاحب کے تأثرات ملاحظہ فرمائیں:

"شیخ حسین بن محسن کا وجود اور ان کا درسِ حدیث ایک نعمتِ خداوندی تھا جس سے ہندوستان اس وقت بلادِ مغرب و یمن کا ہمسر بنا ہوا تھا اور اس نے ان جلیل القدر شیوخ حدیث کی یاد تازہ کردی تھی جو اپنے خداداد حافظہ، علوِ سند اور کتب حدیث و رجال پر عبورِ کامل کی بنا پر خود ایک زندہ کتب خانہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ شیخ حسین بہ یک واسطہ علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار کے شاگرد تھے اور ان کی سند حدیث بہت عالی اور قلیل الوسائط سمجھی جاتی تھی۔ یمن کے جلیل القدر اساتذہ، حدیث کے تلمذ و صحبت، غیر معمولی حافظہ جو اہل عرب کی خصوصیت چلی آرہی تھی۔ سالہا سال تک درس و تدریس کے مشغلے اور طویل مداولت اور ان یمنی خصوصیات کی بنا پر جن کی ایمان و حکمت کی شہادت احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ حدیث کا فن گویا ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرگیا تھا۔ اور ان کے دفتر ان کے سینہ میں سماگئے تھے۔ وہ ہندوستان آئے تو علماء و فضلاء (جن میں بہت سے درس و صاحب تصنیف بھی تھے) نے پروانہ وار ہجوم کیا اور فن حدیث کی تکمیل کی اور ان سے سند لی۔

تلامذہ میں نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبداللہ غازیپوری،

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا سلامت اللہ جے راج پوری، نواب وقار نواز جنگ، مولانا وحید الزماں حیدر آبادی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں"۔ [224]

مولانا علی میاں مزید فرماتے ہیں:

"میرے استاذ حدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء جو شیخ صاحب کے شاگرد تھے، فرماتے تھے کہ: "فتح الباری" جس کی تیرہ [13] ضخیم جلدیں ہیں اور ایک مقدمہ کی علیحدہ جلد ہے ... شیخ صاحب کو تقریباً حفظ تھی"۔ [225]

علامہ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ :-

اس دور کے ایک اور عبقری علامہ عبداللہ محدث غازی پوری کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اس درس گاہ (مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی درس گاہ) کے تیسرے نامور مولانا عبداللہ محدث غازی پوری ہیں جنہوں نے درس و تدریس کے ذریعہ خدمت کی اور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور ان کے شاگردوں میں نہیں ملا"۔ [226]

---

[224] حیات عبدالحی ص ۶۳ (طبع دہلی)۔ [225] نفس مصدر ص ۷۹-۸۰ (طبع کراچی) [226] تراجم علمائے حدیث ہند ۲۶/۱۔

علّامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ :۔ اس صدی کے ایک اور مشہور محدث علامہ شمس الحق ڈیانوی (عظیم آبادی) کے متعلق مولانا سید عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں :

"ثم رجع إلى بلده وعكف على التدريس والتصنيف والتذكير وبذل جهده في نصرة السنة والطريقة السلفية واشاعة كتب الحديث". [۲۲۷]

یعنی "پھر آپ واپس اپنے وطن لوٹے ۔ درس و تدریس ، تصنیف و تالیف اور تذکیر و وعظ میں مصروف ہوئے اور اپنی ساری توجہ سنت کی حمایت اور کتب حدیث کی اشاعت کی طرف مبذول کر دی ۔"

آپ کے تلامذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی فرماتے ہیں:

"آپ کے درس میں عرب و فارس کے طلبا بھی دیکھے گئے ہیں اور بہت لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا"۔ [۲۲۸]

مولانا ابوالحسنات عبدالشکور ندوی آپ کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"مولانا ڈیانوی وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے ۔ تمام عمر خدمتِ علم حدیث میں بسر کر گئے ۔ حدیث کے لئے آپ کے ہاں اکثر مدنی ، یمنی اور نجدی عرب طلباء

---

۲۲۷ نزہۃ الخواطر ۸/ ۱۷۹ ۔ ۲۲۸ اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱ ۔

آستے تھے ۔ مرحوم نے فن حدیث میں سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی جس کو پڑھ کر عرب وعجم کی زبان سے بے ساختہ صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی ہے ۔ التعلیق المغنی علی الدارقطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے ۔" [۲۲۹]

مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی نے آپ کی شرح "غایۃ المقصود" کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :

"یہ شرح ابوداؤد کے پوشیدہ خزانوں کو کھولنے والی اور تمام جواہرات سے بھری ہوئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ مصنف پر اپنا کرم وفضل فرمائے انہوں نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے ۔" [۲۳۰]

علامہ محمد منیر دمشقی (م ۱۳۶۹ھ) آپ کی مشہور کتاب "عون المعبود" کے متعلق فرماتے ہیں :

" کل من جاء بعده من شيوخ الهند وغيره استمدوا من شرحه ." [۲۳۱]

یعنی "مصنف کے بعد ہند وبیرون ہند کے تمام علماء نے آپ کی اس شرح سے استفادہ کیا ہے ۔"

آپ کے حالات زندگی اور دینی وعلمی خدمات کی تفصیل کے لیئے "حياة المحدث شمس الحق وأعماله" تالیف محمد عزیر سلفی کی طرف مراجعت مفید ہوگی ۔

---

[۲۲۹] ہندوستان کی قدیم درسگاہیں ص ۴۲ ۔ [۲۳۰] بذل المجہود شرح سنن ابی داود ۱/۱۱ ۔ [۲۳۱] النموذج من الاعمال الخیریۃ ص ۶۲۶ ۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ :-

اسی دور کے ایک اور مشہور محدث مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری تھے جن کی تصانیف و اساتذہ کا تذکرہ مختصراً اوپر گزر چکا ہے۔ آپ کے تبحر علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سابق استاذ حدیث ڈاکٹر محمد تقی الدین المراکشی جنہیں علامہ مبارک پوری سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا اپنے مضمون "ہندوستان میں اہل حدیث" قسط ۲ (مترجم آزاد رحمانی) میں فرماتے ہیں :

> "میں اپنے رب کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اگر تیسری صدی ہجری کی شخصیت ہوتے تو آپ کی تمام وہ حدیثیں جنھیں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا آپ کے اصحاب سے روایت کرتے صحیح ترین احادیث ہوتیں اور ہر وہ چیز جسے آپ روایت کرتے حجت بنتیں اور اس بات میں کسی دو آدمی کا بھی اختلاف نہ ہوتا۔" [۲۳۲]

علامہ مبارک پوری کے مشہور تلامذہ میں مولانا عبدالسلام مبارکپوری (صاحب سیرۃ البخاری)، مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری مدظلہ (صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)، مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی، مولانا امین احسن اصلاحی (صاحب تدبر قرآن)، شیخ عبداللہ نجدی قویعی ثم

---

[۲۳۲] مجلہ "صوت الجامعہ" بنارس مجریہ ماہ رجب ۱۳۹۴ھ۔

المصری، ڈ. عبدالقادر تقی الدین الہلالی المراکشی، حکیم مولوی عبدالسمیع شفا اثری مبارک پوری (صاحب ترجمہ علامہ مبارک پوری) اور والد محترم مولانا محمد امین اثری رحمانی مبارک پوری (صاحب تحفۂ حدیث، کتاب روزہ) زید مجدہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آں رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات زندگی کے لیۓ تذکرہ علمائے حال، تراجم علمائے اہل حدیث، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، معجم المؤلفین للشیخ محمد رضا کحالہ، نزہۃ الخواطر، تذکرہ علماء مبارک پور للقاضی اطہر مبارک پوری، حیات عبدالحی لأبی الحسن علی الندوی، ماہنامہ صوت الجامعہ بنارس، مقدمہ مختارات الاحادیث و الحکم النبویہ عبدالوہاب عبداللطیف مصری، مجلہ الحج مکہ مکرمہ اور علامہ مبارک پوری کی علمی خدمات پر مولوی عبدالکبیر عبدالقوی حفظہ اللہ کی غیر مطبوعہ بحث وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔[۲۲۳]

یہ ہے ہندوستان میں چودہ سو (۱۴۰۰) سالہ محدثین کرام اور علمائے حق کی اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں کی گئی جانفشانیوں کی ایک مختصر سی تاریخی جھلک۔ واضح رہے کہ زیر نظر کتابچہ میں مذکوران علما اور خدام دین کے علاوہ بے شمار اصحابِ علم و قلم اور بھی گزرے ہیں مگر یہاں ان کے اسمائے گرامی طوالت محض سے بچنے کی غرض سے ترک کر دئے گئے ہیں۔

۲۲۳ھ تذکرہ علمائے حال ص۴۳، نزہۃ الخواطر ۸/۲۴۲، مقدمہ مختارات الاحادیث والحکم النبویہ للشیخ عبدالوہاب ص۳، تذکرہ علمائے مبارکپور ص ۱۲۵–۱۵۶، مجلہ صوت الجامعہ بنارس مجریہ ماہ فروری، مئی واگست ۱۹۷۴ء۔

ہندوستان میں محدثین کی خدمات کے ثمرات

بزبان سید سلیمان ندوی :- ایک مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے ہمعصر مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہندوستان میں علمائے حدیث کی انہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا تھا:

"صحاح ستہ کی تعلیم ہی کا یہ اثر ہے کہ شاہ صاحب کے عہد سے آج تک بحمد اللہ اس ملک میں بدعات کا زور گھٹ رہا ہے اور سنت کا شوق بڑھ رہا ہے اور ارباب فقہاء بلکہ صوفیاء بھی ہر عربی عبارت کے ٹکڑے کو حدیث کا رتبہ نہیں دیتے اور نہ اقوال تابعین و مرسلات و منقطعات کو حدیث مرفوع و متصل کا ہم پایہ سمجھا جاتا ہے"۔ الخ [۲۳۴]

مختصر یہ کہ یہ ان تمام علمائے کرام کی شب و روز مساعیٔ جمیلہ کا ہی نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں آج بھی اسلام نہ صرف اپنی اصل ہیئت میں باقی ہے بلکہ تصوف اور تقلید جامد کے طوفانی سیلاب کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہے۔

عالم اسلام کا ہندوستانی علماء کی علمی خدمات پر خراج تحسین :-

عالم اسلام کے متعدد اہل دانش و بینش نے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اشاعت اسلام بالخصوص علم حدیث کی خدمات سے کے

---

[۲۳۴] ماہنامہ معارف اعظم گڈھ مجریہ دسمبر ۱۹۴۴ء۔

سلسلہ میں ہندوستان کے علماء حدیث کے مقتدیٰ ہونے کا اعتراف برملا کیا ہے چنانچہ استاذ محمد ابوزہو مصری علامہ زاہد کوثری حنفی کے حوالہ سے "ارضِ ہند و پاک میں اشاعت حدیث" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"...... ایسے آڑے وقت میں جب کہ لوگ حدیث کے لئے کمربستہ نہ تھے اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں، اہالیانِ ارضِ پاک و ہند نے حدیث نبوی اور اس کے علوم کی جو خدماتِ جلیلہ انجام دی تھیں انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ برصغیر کے علماء ایسے تھے جنھوں نے صحاح ستہ کی نہایت مفید شرحیں لکھیں اور ان پر قیمتی حواشی تحریر کیئے۔ احادیثِ احکام سے متعلق علماء نے ضخیم کتب تصنیف کیں، نقدِ رجال، عللِ حدیث کے ذکر و بیان اور شرح الآثار کے ضمن میں ان کے احسانات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اسی طرح مختلف علوم الحدیث اور ان کے متعلقات کے بارے میں بھی ان کی تصانیف کچھ کم قابلِ قدر نہیں۔" [۲۳۵]

اسی طرح علامہ سید رشید رضا مصری (م ۱۳۵۴ھ) بھی ہندوستان کے علماء حدیث کو ان کی مساعیٔ جمیلہ پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"ولولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم

---

۲۳۵ تاریخ حدیث و محدثین، اردو ترجمہ الحدیث والمحدثون لأبی زہو، مترجم غلام احمد حریری ص ۵۸۸ - ۵۸۹، مقالات محمد زاہد الکوثری ص ۷۱۔

الحديث في هذا العصر يقضي عليها بالزوال من أمصار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في أوائل هذا القرن الرابع عشر." [236]

یعنی " اگر اس زمانہ میں ہمارے ہندوستانی اہل علم بھائیوں کی علم حدیث کی طرف خصوصی توجہ اور خدمات نہ ہوتیں تو مشرق کے علاقوں سے علم حدیث مفقود ہو چکا ہوتا۔ مصر، شام، عراق اور حجاز میں (علماء کے عدم التفات کے باعث) دسویں صدی ہجری سے ہی علم حدیث کمزور پڑ چکا تھا اور اب چودہویں صدی ہجری کے اوائل تک ضعف کا یہی عالم ہے۔"

ایک اور مصری محقق علامہ عبدالعزیز الخولی فرماتے ہیں:

" ولا يوجد في الشعوب الإسلامية على كثرتها واختلاف أجناسها من وفى الحديث قسطه من العناية في هذا العصر مثل إخواننا مسلمي الهند أولئك الذين وجد بينهم حفاظ للسنة دارسون لها على ما كانت تدرس في القرن الثالث حرية في الفهم ونظرًا في الأسانيد." [237]

یعنی " شعوب اسلامیہ کی کثرت اور اجناس مختلف ہونے کے باوجود ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جس نے اس زمانہ میں ہمارے ہندوستانی

---

[236] مقدمہ مفتاح کنوز السنہ ص ق [237] مفتاح السنۃ ص ۱۶۹

مسلمان بھائیوں کے مثل تعلق بالحدیث کا تقاضا پورا کیا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن میں سنت کے حفاظ پائے جاتے ہیں اور جو اس کا درس تیسری صدی ہجری کی طرح ہی حریتِ فکر اور اسانید پر پوری بصیرت کے ساتھ دیتے ہیں"۔

آں موصوف ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں :

" وفی الھند الآن طائفۃ کبیرۃ تھتدی بالسنۃ فی کل أمور الدین ولا تقلد أحداً من الفقھاء ولا المتکلمین وھی طائفۃ المحدثین"۔

یعنی " ہندوستان میں اب بھی ایسی جماعت موجود ہے جو تمام امور دین میں صرف سنت سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور فقہاء و متکلمین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتی۔ یہ محدثین کی جماعت ہے"۔

پھر آں موصوف نے اس جماعت کے اعلام میں شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خاں وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

علامہ محمد منیر دمشقی اس طائفہ مبارکہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" وھی نھضۃ عظیمۃ أثرت علی باقی البلاد الإسلامیۃ فاقتدی بھا غالب البلاد الإسلامیۃ فی طبع کتب الحدیث والتفسیر" [۲۳۸]

یعنی " یہ عظیم تحریک دوسرے بلاد اسلامیہ پر مؤثر ہوئی تو اکثر بلاد اسلامیہ نے کتبِ احادیث و تفسیر کی طباعت میں ان کی اقتداء کی"۔

---

[۲۳۸] أنموذج من الأعمال الخیریۃ ص ۳۶۸۔

دمشق یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب "سنن الترمذی" کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"وقد شرح سنن الترمذی عدد من العلماء من أجمع هذه الشروح عارضة الأحوذی للامام محمد بن عبداللہ (ابن العربی) المعافری وتحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی للامام محمد بن عبد الرحمن المبارکفوری الھندی." [239]

یعنی "بہت سے اہل علم نے سنن ترمذی کی شروح لکھی ہیں۔ سب سے جامع شروح میں سے امام ابن العربی کی عارضة الاحوذی اور امام محمد عبدالرحمن مبارک پوری ہندی کی تحفة الاحوذی ہے۔"

دیکھئے مصنف موصوف نے کس قدر شرح صدر سے ایک ہندوستانی مصنف کو "الامام" کے لقب سے یاد کرکے علماء ہند کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح آں موصوف سنن النسائی کے ضمن میں لکھتے ہیں :

"ومن أجود طبعاته المحققة سنن النسائی بالتعلیقات السلفیة بتحقیق فضیلة الأستاذ محمد عطاء اللہ الفوجیانی الأمرتسری طبع المکتبة السلفیة بلاھور فی باکستان." [240]

یعنی "سنن النسائی کی محقق اور عمدہ طبع وہ ہے جو فضیلة الاستاذ محمد عطاء اللہ (حنیف) بھوجیانی امرتسری کی تعلیقات وتحقیقات کے ساتھ پاکستان میں مکتبہ سلفیہ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔"

اس سے قبل ڈاکٹر موصوف نے "سنن ابی داود" کی شرح "عون المعبود"

---

[239] لمحات فی المکتبة والبحث والمصادر ص۱۷۲۔ [240] نفس مصدر ص۱۷۳۔

کا ذکر بھی بطورِ خاص کیا ہے۔[241]

حاصلِ کلام یہ کہ اقلیم ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا فقط محدثین اور علمائے حق کے سر ہے، صوفیاء کا اس میں قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ اشاعت اسلام کے لیے جد وجہد بنیادی طور پر ان کے لائحہ عمل کا جزو نہ تھی بلکہ انھوں نے تصوف کو اسلام کے روبرو ایک متوازی دین بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔ الحمد للہ اس معاملہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے استاذ ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلّی اصلاحی صاحب بھی ہم سے متفق نظر آتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے برصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے سرے سے کوئی کاوش نہیں کی، چنانچہ اپنے ایک مضمون "اسلام کی توسیع واشاعت میں صوفیاء کرام کا حصہ" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت ہے کہ اشاعتِ دین کے لیے سعی کرنا تصوف کے بنیادی مقاصد میں کبھی شامل نہیں رہا۔"[242]

ڈاکٹر ظلّی صاحب کی اس پر حقیقت شہادت سے ہمارا یہ موقف مزید مؤکد ہو جاتا ہے کہ برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں صوفیاء کرام کے غیر معمولی کردار کا جو تأثر انتہائی مؤثر اور دلآویز انداز میں پیش کیا گیا اور چہار سو شائع ہے وہ محض ایک مغربی مستشرق عالم کی ذہنی اُپج ہے، کوئی متوازن تاریخی حقیقت نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب.



---

[241] لمحات فی المکتبۃ والبحث والمصادر ص ۱۹۲۔

[242] ہفت روزہ "آئین" لاہور (ماہنامہ ایڈیشن) مجریہ ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء ص ۲۵۔

فہرست مراجع و مصادر

۱ اخبار الاخیار ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۔ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ
۲ انفاس العارفین ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۔ مطبوعہ المعارف لاہور
۳ الآثار ۔ محمد بن حسن الشیبانی ۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ پاکستان ۱۴۰۷ھ
۴ اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب ۔ محمد درویش حوت البیروتی ۔
دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء
۵ الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ۔ ملا علی القاری بتحقیق الزغلول ۔
دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۵ء
۶ الاعلام ۔ خیر الدین زرکلی ۔ دار العلم للملایین بیروت
۷ الاصابہ فی تمییز الصحابۃ ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ دار الکتاب العربی بیروت
۸ الاستیعاب فی اسماء الصحابہ للقرطبی المالکی علی ہوامش الاصابہ ۔
دار الکتاب العربی بیروت
۹ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین ۔ نواب صدیق حسن
خاں ۔ مطبعۃ النظامی، کانپور ۱۲۸۹ھ
۱۰ ابجد العلوم ۔ ابی الطیب صدیق حسن خاں القنوجی، تحقیق عبدالجبار
زکار ۔ منشورات وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی، دمشق ۱۹۷۸ء
۱۱ آب کوثر ۔ شیخ محمد اکرام ۔ فیروز سنز کراچی ۱۹۵۲ء
۱۲ مجلہ اہلحدیث امرتسر ۔ مجریہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۳ء

۱۳ انموذج من الاعمال الخيرية ۔ منیر الدمشقی ۔ طبع دمشق
۱۴ انوار اقبال ۔ ڈاکٹر محمد اقبال ۔ طبع پاکستان
۱۵ اقبال نامہ ۔ ڈاکٹر محمد اقبال ۔ طبع پاکستان
۱۶ ارشادات فریدی مترجم ۔ صوفی فاؤنڈیشن بہاولپور
۱۷ الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن ۔ عبیداللہ سندھی ۔ طبع پاکستان
۱۸ ہفت روزہ "آئین" لاہور ۔ مجریہ ماہ دسمبر ۱۹۸۸ء
۱۹ امام الکلام ۔ ابی الحسنات عبدالحی لکھنوی ۔ طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ
۲۰ الایماضات علی اغلاط مصنف الاسکات ۔ ملا شعیب کابلی ۔ مطبع انوار محمدی ۱۲۹۸ھ
۲۱ البنایہ شرح الہدایہ ۔ بدرالدین عینی ۔ نول کشور ۱۲۹۳ھ
۲۲ بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ۔ جلال الدین سیوطی ۔ دار احیاء الکتب العربیۃ ۱۹۶۴ء
۲۳ بذل المجہود شرح سنن ابی داود ۔ خلیل احمد سہارنپوری ۔ طبع دار اللواء بالریاض
۲۴ مجلہ "برہان" دہلی ۔ مجریہ ماہ جولائی ۱۹۵۱ء و مارچ ۱۹۵۴ء
۲۵ البدایۃ والنہایۃ ۔ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر ۔ مکتبۃ المعارف بیروت ۱۹۷۱ء
۲۶ پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۔ مناظر احسن گیلانی ۔ طبع پاکستان
۲۷ پرانے چراغ ۔ شبلی نعمانی ۔ طبع ہند
۲۸ التذنیب ۔ سید امیر علی (فی آخر تقریب التہذیب) نولکشور بالہند ۱۲۵۶ھ
۲۹ تذکرۃ المحدثین ۔ ضیاء الدین اصلاحی ۔ طبع ہند
۳۰ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین ۔ شاہ اسمٰعیل شہید ۔ طبع ہند
۳۱ تذکرۃ المنتہی فی رد الاسکات المعتدی ۔ نور محمد ملتانی ۔ مطبع انوار محمدی ۱۲۹۸ھ
۳۲ التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد ۔ ابی الحسنات عبدالحی لکھنوی ۔ المصطفائی لکھنؤ ۱۲۹۷ھ

۲۳ تفسیر احمدی ۔ ملا جیون ۔ مطبوعہ کریمی بمبئی

۲۴ تاریخ مبارک شاہی یحییٰ سرہندی ۔ طبع کلکتہ

۲۵ تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی بتصحیح سر سید احمد خاں ۔ طبع کلکتہ ۱۸۶۲ء

۲۶ تاریخ فرشتہ ۔ قاسم فرشتہ ۔ طبع پاکستان

۲۷ تاریخ ہند ۔ توقیر پاشا ۔ طبع علی گڑھ

۲۸ تاریخ یحییٰ بن معین ۔ نشر مرکز البحث العلمی و احیاء التراث الاسلامی مکۃ المکرمۃ ۱۳۹۹ھ

۲۹ تاریخ بغداد ۔ ابی بکر احمد بن علی الخطیب ۔ مطبعۃ السعادۃ ۱۳۴۹ھ

۳۰ تاریخ حدیث و محدثین ۔ (اردو ترجمہ الحدیث و المحدثون) مترجم غلام احمد
حریری ۔ ناشران قرآن لمیٹیڈ لاہور

۳۱ تاریخ اسلام ۔ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ۔ طبع ہند

۳۲ تاریخ الطبری ۔ دار المعارف بمصر

۳۳ التاریخ الکبیر ۔ امام بخاری ۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۸۲ھ

۳۴ التاریخ الصغیر ۔ امام بخاری ۔ دار الوعی بحلب مصر ۱۳۹۶ھ

۳۵ تاریخ التراث العربی لفؤاد سزکین ۔ تعریب د. فہمی ابی الفضل ۔ الہیئۃ
المصریۃ العامۃ للتألیف والنشر، القاہرہ ۱۹۷۱ء

۳۶ تاریخ دعوت و عزیمت ۔ سید ابو الحسن علی الندوی ۔ مجلس تحقیقات و
نشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۷۸ء

۳۷ تاریخ مشائخ چشت ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ۔ ادارہ ادبیات دہلی ۱۹۸۰ء

۳۸ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ۔ عبد الرحمٰن مبارک پوری ۔ نشر السنہ ملتان ۱۴۰۲ھ

۳۹ تلبیس ابلیس لابن الجوزی مع تجنیس تدلیس مترجم مولوی عبد الحق الموی سے
اعظم گڈھی ۔ مطبع فاروقی دہلی ۱۳۲۳ھ و میر محمد کتب خانہ کراچی

۵۰ توحید خالص (گھر کے چراغ) قسط اول ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی
ادارہ توحید علی گڑھ

۵۱ تصوف اور تعمیر سیرت للمودودی ۔ ترتیب عاصم نعمانی ۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور

۵۲ تقریب التہذیب ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ دار المعرفۃ بیروت سنہ ۱۹۷۵ء

۵۳ تہذیب التہذیب ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ
حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۲۵ھ

۵۴ تجرید اسماء الصحابہ ۔ امام ذہبی ۔ دار المعرفۃ بیروت

۵۵ التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ ۔ شمس الدین السخاوی
نشر اسعد طرابزونی الحسینی القاہرۃ سنہ ۱۳۹۹ھ

۵۶ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۔ جمال الدین المزی
مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سنہ ۱۴۰۳ھ

۵۷ تذکرۃ الحفاظ ۔ ابو عبداللہ شمس الدین محمد الذہبی ۔
دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۶۸ء

۵۸ تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس ۔ ابن حجر عسقلانی ۔
دار الکتب العلمیۃ بیروت سنہ ۱۹۸۴ء

۵۹ تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان و نصیحۃ المسلمین ۔ سید اسماعیل شہید ۔
میر محمد کتب خانہ کراچی

۶۰ تفسیر مظہری ۔ ثناء اللہ پانی پتی ۔ طبع حیدر آباد دکن

۶۱ تذکرہ علمائے مبارک پور ۔ قاضی اطہر مبارک پوری ۔ طبع ہند

۶۲ تذکرہ ۔ ابو الکلام آزاد ۔ طبع دہلی

۶۳ تقصار من تذکار جیود الاحرار ۔ نواب صدیق حسن خاں ۔ طبع ہند

٦٤ تراجم علمائے حدیث ہند۔ ابویحییٰ امام خاں نوشہروی۔ مطبعہ جید دہلی ۱۳۵۶ھ

٦٥ التعلیق المنصور علی فتح الغفور۔ سید بدیع الدین شاہ الراشدی (مخطوط)

٦٦ تراجم الشیوخ۔ شیخ محمد عابد السندی (مخطوط)

٦٧ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ طبع پاکستان

٦٨ تذکرہ علمائے حال۔ طبع پاکستان

٦٩ التفہیمات الالٰہیہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ المجلس العلمی ڈابھیل سورت ۱۳۵۵ھ

٧٠ پندرہ روزہ "ترجمان" دہلی۔ مجریہ مارچ ۱۹۶۸ء

٧١ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند۔ سید عبدالحی الحسنی۔ طبع پاکستان

٧٢ الثقات۔ امام ابن حبان۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۳ھ

٧٣ الجرح والتعدیل۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی۔
دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۴۴ھ

٧٤ جامع التحصیل فی أحکام المراسیل۔ صلاح الدین کیکلدی العلائی۔
وزارۃ الاوقاف بالجمہوریۃ العراقیہ بغداد ۱۳۹۸ھ

٧٥ الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ۔ عبدالقادر قرشی حنفی۔ میر محمد کتب خانہ کراچی

٧٦ الجامع الصحیح۔ امام بخاری۔ مع فتح الباری۔ دار المعرفہ بیروت

٧٧ حسرت نامہ۔ ضیاء الدین برنی۔ طبع ہند

٧٨ حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مطبوعہ نور محمد کراچی

٧٩ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ۔ ابی طیب نواب صدیق حسن خاں
مطبعۃ المکتبۃ العلمیۃ لاہور ۱۳۹۷ھ

٨٠ حیات عبدالحیؒ۔ سید ابوالحسن علی الندوی۔ طبع دہلی

٨١ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ علی گڑھ

۸۲ ماہنامہ "حکمت قرآن" لاہور۔ انجمن خدام القرآن لاہور ج ۵ عدد شمارہ ۲ سنہ ۱۹۸۶ء

۸۳ حیاۃ العلامہ المحدث ابی العلی محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری۔ عبد الکبیر عبد القوی (مخطوط)

۸۴ خطبات شبلی۔ طبع ہند۔

۸۵ خطوط اقبال مرتب رفیع الدین ہاشمی۔ مکتبہ خیابان ادب لاہور

۸۶ خیر المجالس۔ حمید قلندر تصحیح پروفیسر خلیق احمد نظامی

۸۷ خزینۃ الاصفیاء۔ مفتی غلام سرور۔ مطبع نول کشور

۸۸ خلافت راشدہ اور ہندوستان۔ قاضی اطہر مبارکپوری۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۲ء

۸۹ دو قدیم صوفی۔ میاں اخلاق احمد۔ طبع پاکستان

۹۰ الدر الثمین۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مشمولہ المسلسلات۔ مکتبہ یحیویہ سہارنپور ۱۹۶۵ء

۹۱ ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند۔ مجریہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۸۳ء

۹۲ الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ۔ سید شریف محمد بن جعفر الکتانی مطبعہ دار الفکر دمشق سنہ ۱۹۶۴ء

۹۳ زبدۃ المقامات۔ خواجہ محمد ہاشم کشمیری۔ طبع پاکستان

۹۴ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ ادارہ ادبیات دہلی ۱۹۸۱ء

۹۵ سیر الاولیاء۔ سید محمد بن مبارک علوی کرمانی۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان لاہور سنہ ۱۹۷۸ء

۹۶ السعایۃ۔ ابی الحسنات عبد الحی لکھنوی۔ طبع لکھنؤ

۹۷ السنن الکبریٰ۔ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی۔ مصورہ عن طبعۃ حیدر آباد، بدار الفکر بیروت۔

۹۸ سنن الدارقطنی۔ علی بن عمر الدارقطنی۔ دار المحاسن للطباعۃ القاہرہ سنہ ۱۳۸۶ھ

۹۹ سؤالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ لعلی بن المدینی فی الجرح والتعدیل ۔ مکتبۃ المعارف الریاض سنہ ۱۹۸۴ء

۱۰۰ سنن الدارمی ۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی ۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت

۱۰۱ سفر السعادۃ ۔ للفیروز آبادی ۔ مطبعۃ دار العصور سنہ ۱۳۳۲ھ

۱۰۲ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرہا السیئ فی الامۃ ۔ للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی ۔ المکتب الاسلامی ۹۹، ۱۳۸۹ھ

مکتبۃ المعارف، الریاض، ۸۸، ۱۹۸۷ء

۱۰۳ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ۔ غلام علی آزاد بلگرامی ۔ طبع ہند

۱۰۴ سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ۔ مکتبۃ السلفیہ لاہور

۱۰۵ سوانح خواجہ معین الدین چشتی ۔ وحید احمد مسعود ۔ سلمان اکیڈمی کراچی

۱۰۶ شرح سفر السعادۃ ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۔ طبع ہند

۱۰۷ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ۔ ابوالفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی دار الآفاق الجدیدۃ ۔ بیروت

۱۰۸ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ۔ عبیداللہ سندھی ۔ طبع پاکستان

۱۰۹ شہپر جبریل ۔ ڈاکٹر این میری شمل مترجم ڈاکٹر محمد ریاض ۔ طبع پاکستان

۱۱۰ شرح مسند ابی حنیفہ ۔ محمد عابد سندھی ۔ (مخطوط)

۱۱۱ مجلہ "صوت الجامعہ" ۔ بنارس ۔ ماہ فروری، مئی، اگست سنہ ۱۹۸۴ء

۱۱۲ الضعفاء والمتروکون ۔ امام نسائی ۔ دار الوعی ۔ حلب، مصر سنہ ۱۳۹۶ھ

۱۱۳ الضعفاء والمتروکون ۔ امام دارقطنی ۔ مکتبۃ المعارف، الریاض

۱۱۴ الضعفاء الصغیر ۔ امام بخاری ۔ دار الوعی ۔ حلب سنہ ۱۳۹۶ء

۱۱۵ الضعفاء الکبیر ۔ ابی جعفر محمد بن عمرو العقیلی ۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت سنہ ۱۹۸۴ء

۱۱۶ ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور۔ مجریہ ماہ جولائی ۱۹۸۵ء ج ۵ عدد شمارہ ۱۰

۱۱۷ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ دار صادر بیروت ۱۳۷۶ھ

۱۱۸ العلل۔ ابن المدینی۔ دار الوعی۔ حلب

۱۱۹ العرف الشذی۔ انور شاہ کشمیری۔ طبع ہند

۱۲۰ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ بدر الدین عینی۔ مطبعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ

۱۲۱ العبر فی خبر من غبر۔ امام ذہبی۔ طبع الکویت ۱۹۶۰ء

۱۲۲ العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین۔ تقی الدین محمد بن احمد الحسنی الفاسی۔
مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ۔ القاہرہ ۱۳۷۸ھ

۱۲۳ عجالہ نافعہ۔ شاہ عبد العزیز (مع فوائد جامعہ)۔ نور محمد کتب خانہ کراچی

۱۲۴ غیث الغمام علی حواشی امام الکلام۔ ابی الحسنات عبد الحی لکھنوی۔ لکھنؤ ۱۳۰۴ھ

۱۲۵ فصل الخطاب مع الکتاب المستطاب۔ انور شاہ کشمیری۔ طبع ہند

۱۲۶ فتح المغطا شرح المؤطا۔ ابن الہمام۔ (مخطوط)

۱۲۷ فتویٰ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی در اثبات رفع الیدین۔ مکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۳۷۴ھ

۱۲۸ فتوح البلدان۔ البلاذری۔ طبع مصر

۱۲۹ الفہرست۔ ابن الندیم۔ دار المعرفہ۔ بیروت

۱۳۰ فوات الوفیات۔ محمد بن شاکر الکتبی بتحقیق د۔ احسان عباس۔ دار صادر بیروت ۱۹۷۳ء

۱۳۱ فتاویٰ عزیزی۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ طبع پاکستان

۱۳۲ فیوض الحرمین۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۱۳۳ فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ محبوب المطابع دہلی

۱۳۴ فقہائے ہند تیرہویں صدی ہجری۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی۔ طبع لاہور

۱۳۵ فوائد الفؤاد۔ امیر حسن سنجری تصحیح محمد لطیف ملک۔ طبع لاہور ۱۹۶۶ء

۱۳۶ الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة۔ محمد بن علی الشوکانی۔ مطبعة السنة المحمدیة بمصر سنہ ۱۹۶۸ء

۱۳۷ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ ابن حجر عسقلانی۔ دار المعرفة بیروت

۱۳۸ سہ ماہی "فکر و نظر"۔ مجریہ ماہ اکتوبر تا دسمبر سنہ ۱۹۸۸ء

۱۳۹ قرآن کریم۔ طبع تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۴۰ الکامل فی الضعفاء۔ ابن عدی۔ طبع بیروت سنہ ۱۹۸۴ء

۱۴۱ الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث۔ برہان الدین الحلبی احیاء التراث الاسلامی بغداد سنہ ۱۹۸۴ء

۱۴۲ الکنیٰ والاسماء۔ امام مسلم۔ تحقیق عبد الرحیم القشقری۔ سنہ ۱۹۸۴ء

۱۴۳ الکنیٰ والاسماء۔ الدولابی۔ طبع حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۲۲ھ

۱۴۴ کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی اُلسنة الناس اسماعیل بن محمد العجلونی۔ مؤسسة الرسالہ بیروت سنہ ۱۹۸۵ء

۱۴۵ لمحات فی المکتبة والبحث والمصادر۔ دکتور محمد عجاج الخطیب۔ دار الفکر بدمشق

۱۴۶ مقالات محمد زاہد الکوثری۔ مطبعة الانوار سنہ ۱۳۷۳ھ

۱۴۷ مفتاح کنوز السنة۔ محمد فؤاد عبد الباقی۔ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۴۸ مفتاح السنة۔ عبد العزیز الخولی۔ دار الکتب العلمیة بیروت

۱۴۹ مجلہ "محدث"، مجلس التحقیق الاسلامی لاہور۔ جلد ۱۸ عدد شمارہ ۳-۶ مجریہ نومبر سنہ ۱۹۸۷ء تا فروری سنہ ۱۹۸۸ء

۱۵۰ مسک الختام شرح بلوغ المرام۔ نواب صدیق حسن خاں۔ طبع ہند

۱۵۱ مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح۔ ملا علی القاری۔ مطبعة المیمنیہ سنہ ۱۳۰۹ھ

۱۵۲ مجموعہ مقالات عُزیری۔ (مخطوط)

۱۵۳ معجم الادباء ۔ یاقوت الحموی ۔ دار الفکر بیروت سنہ ۱۴۰۰ھ
۱۵۴ مقالات ۔ سید سلیمان ندوی ۔ طبع پاکستان
۱۵۵ المعرفۃ والتاریخ ۔ ابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی ۔
مؤسسۃ الرسالہ بیروت سنہ ۱۴۰۱ھ
۱۵۶ المجروحین من المحدثین والضعفاء والمترکین ۔ امام محمد بن حبان البستی ۔
دار الباز ۔ مکۃ المکرمۃ
۱۵۷ مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح ۔ دار الحدیث للطباعۃ والنشر والتوزیع ، بیروت سنہ ۱۹۸۴ء
۱۵۸ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۔ ابی عبداللہ محمد بن احمد الذہبی ۔ دار المعرفہ بیروت
۱۵۹ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۔ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری ۔ نشر السنۃ ، ملتان سنہ ۱۴۰۲ھ
۱۶۰ مجلہ "معارف" ۔ ماہ اپریل سنہ ۱۹۵۴ء
۱۶۱ مکتوبات قدوسیہ ۔ مطبعہ احمدی دہلی
۱۶۲ معرفۃ الثقات من رجال اہل العلم والحدیث ومن الضعفاء وذکر مذاہبہم واخبارہم ۔ ابی الحسن احمد بن عبداللہ العجلی ، مکتبۃ الدار ، المدینۃ المنورہ سنہ ۱۹۸۵ء
۱۶۳ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ۔
دار الکتاب العربی بیروت سنہ ۱۹۸۲ء
۱۶۴ مقدمہ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود ۔ شمس الحق عظیم آبادی ۔ طبع انصاری دہلی
۱۶۵ مسلک الانصاف ۔ سید رشد اللہ شاہ ۔ (مخطوطہ)
۱۶۶ خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۔ مدینہ پبلشنگ کراچی
۱۶۷ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ ۔ دار المصنفین شبلی منزل ۔ مجریہ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء
۱۶۸ مکتوبات مجدد الف ثانی ۔ ایچ ۔ ایم ۔ سعید کمپنی کراچی

۱۶۹ مبدأ و معاد ۔ شیخ احمد سرہندی، مترجم مولانا زواری ۔ طبع پاکستان
۱۷۰ مآثر الکرام ۔ آزاد بلگرامی ۔ طبع ہند
۱۷۱ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار ۔ محمد طاہر الفتنی ۔
طبع لکھنؤ سنہ ۱۲۸۳ھ
۱۷۲ المستدرک علی الصحیحین ۔ امام محمد بن عبداللہ الحاکم ۔
دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۴ھ
۱۷۳ مسند احمد ۔ امام احمد بن حنبل ۔ مطبعۃ المیمنیہ بمصر سنہ ۱۳۱۳ھ
۱۷۴ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ۔ ملا علی القاری بتحقیق عبدالفتاح ابوغدہ
مکتبۃ الراشد، الریاض سنہ ۱۹۸۴ء
۱۷۵ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ ۔ جمال الدین الزیلعی ۔ دار الحدیث بمصر
۱۷۶ نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر ۔ شریف عبدالحی الحسنی ۔ طبع ہند
۱۷۷ نقش آزاد ۔ ابوالکلام آزاد ۔ طبع ہند
۱۷۸ النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ ۔ جمال الدین ابوالمحاسن بن تغری بردی
طبع دار الکتب المصریۃ سنہ ۱۹۳۲ء
۱۷۹ وصیت نامہ (مطبوع در مجموعہ وصایا اربعہ) ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۔ طبع ہند
۱۸۰ الہدی الساری مقدمہ فتح الباری ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ دار المعرفۃ بیروت
۱۸۱ ہندوستان کی قدیم درس گاہیں ۔ ابوالحسنات عبدالشکور الندوی ۔ طبع ہند
۱۸۲ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ۔ ابویحیی امام خاں نوشہروی ۔ طبع لاہور
183 Sufis of Bijapur - Richard Maxwell Eaton - Princeton Univ. Press 1978
184 The Muslim Community of Indo-Pak Subcontinent

185 Gabriel's Wings - Dr. N. Mary Schamel - London
186 Epigraphia Indica - Sten Konow. A.M.U. Library
187 A History of Sufism in India - Saiyed Athar-Abbas, Delhi 1978
188 Preaching of Islam - Prof. T.W. Arnold - Lahore 1961
189 Indo-Muslim Polity - Yousuf Hussain. A.M.U. Lib.
190 The History of Qannauj. R.S. Tirpathi. A.M.U. Lib.
191 Life and Times of Fariduddin Ganje-Shakar - K.A. Nizami, Aligarh
192 Some Aspects of Religion & Polotics in India During 13th Century - K.A. Nizami Idarah-e-Adbiyat, Delhi 1974
193 New World of Islam - Lothrap Staderd. A.M.U. Lib.
194 Is.tudies in Islamic Culture in the Indian Environment - Aziz Ahmad Oxford Univ. Press, 1964.

وغیرھا

عربی ماہنامہ مجلہ «صوت الأمہ»

جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے شائع ہونے والا یہ ماہنامہ برصغیر کی جماعت اہل حدیث کا پہلا عربی رسالہ ہے۔ اس کا اجراء ۱۳۸۹ھ میں عمل میں آیا اور بحمد اللہ اب تک جاری ہے۔ علمی، ادبی اور اصلاحی مضامین پر مشتمل یہ مجلہ اپنی گوناگوں خوبیوں کے لحاظ سے عرب اور مسلم دنیا میں ممتاز ہے۔

عقیدۂ اسلام کی توضیح وتشریح اور شرک وبدعت کی تردید کے باب میں مجلہ کی خدمات کا ہر طبقہ میں اعتراف کیا جاتا ہے ہندوستانی مسلمانوں کے عالم اسلام کے ساتھ ربط وتعلق کا یہ ایک عمدہ ذریعہ ہے۔



اردو ماہنامہ «محدث»

جامعہ سلفیہ بنارس کا نقیب اور کتاب وسنت کا ترجمان یہ مجلہ ۱۹۸۲ء میں جاری ہوا ہے۔ قدیم وجدید مسائل میں اسلام کی جامع تعلیمات کی طرف رہنمائی، عالم اسلام کے واقعی حالات کی عکاسی، شرک وبدعت اور اسلام دشمن نظریات وتحریکات کی نقاب کشائی اور تردید اس مجلہ کا امتیاز ہے۔ پوری مسلم دنیا اور بالخصوص جماعتی حلقوں میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، مسلمانوں کی فکری رہنمائی کے باب میں اس کا کردار نمایاں ہے۔

ہماری ہندی اور انگریزی مطبوعات

انگریزی — قیمت

سیرۃ البخاری :	علامہ عبد السلام مبارکپوری رحمہ اللہ ترجمہ : پروفیسر محمد رفیق خاں	-/۶۰
محمد بن عبد الوہاب :	مولانا مسعود عالم ندوی ترجمہ : پروفیسر محمد رفیق خاں	-/۶۰
ریاض الاخلاق :	مولانا محمد صادق سیالکوٹی ترجمہ : پروفیسر محمد رفیق خاں	-/۴۵
صلاۃ الرسول :	مولانا محمد صادق سیالکوٹی ترجمہ : پروفیسر محمد رفیق خاں	-/۱۵
شرح العقیدۃ الواسطیۃ :	علامہ محمد خلیل ہراس ترجمہ : پروفیسر محمد رفیق خاں	-/۳۰

ہندی

صلاۃ الرسول :	مولانا محمد صادق سیالکوٹی ترجمہ : عبد الرحمن انصاری	-/۱۶
تقویۃ الایمان :	مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ ترجمہ : عبد القیوم سلفی	-/۲۵
اسلام اور مانو سماج :	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری ترجمہ : ماسٹر احمد حسین	-/۶
خاتون اسلام :	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری ترجمہ : احسن انصاری	زیر طبع
ستیہ دھرم ایک یا انیک :	عزیز الحق عمری	"

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب ، وارانسی — ۲۲۱۰۱۰

قارئین کرام سے گزارش ھے کہ ان اغلاط کی تصحیح کے بعد کتاب کا مطالعہ فرمائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۴	صوفیاء کا مرھون منت	صوفیاء کی مرھون منت
۲	۲	” ” ”	” ” ”
۳	۴	” ” ”	” ” ”
۱۵	۱	” ” ”	” ” ”
۲۰	۴-۵	نے اس بری طرح	نے بری طرح
۲۹	۴	مطرف بن الشیخه	مطرف بن الشخیر
۲۹	۵	تقریب التهدیب	تقریب التهذیب
۹۹	۱۸	العقد الثمین للفارسی	العقد الثمین للفاسی
۱۰۱	۱۴	کے تلمید	کے تلمیذ
۱۶۲	۸	دہلوی	دھلوی
۱۷۱	۱۷-۱۸	له اهل اسلام	کہ اهل اسلام
۱۹۹	۱	مجله « صوت الأمة »	« صوت الامه »
۱۹۹	۱۲	۱۹۸۲ء میں	۱٤۰۲ھ میں

جَامعہ سَلفیہ

مرکزی دَارالعلوم بنارس

ہندوستان میں علوم دینیہ اور عربی زبان وادب کی عظیم مرکزی درسگاہ ہے۔ اس کا نصب العین کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی ترویج واشاعت اور مسلک سلف کے مطابق طلبہ کی تعلیم و تربیت ہے۔ ۱۳۸۵ھ میں تعلیم کے آغاز سے اس وقت تک اس ادارہ نے اہم تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دی ہیں۔